اسوسی دنیا
لاشوں کا جنگل
خاص نمبر
ساگر زمان

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے کارناموں کا نیا سلسلہ

جاسوسی دُنیا

لاشوں کا جنگل

قیمت سالانہ (معہ تین خاص نمبر)
بارہ روپے

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ پچاس پیسے

جاسوسی دنیا پبلیکیشنز کراچی ۱

اس ناول کے تمام واقعات و کردار فرضی ہیں۔ اس سے
کوئی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔ جس کے لئے مصنف
یا پبلشر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی

شمارہ نمبر ۴ فروری سنہ ۱۹۶۳ء

احمد سعید پرنٹر پبلشر نے سپر آرٹ پریس
کراچی میں چھپوا کر جاسوسی دنیا پبلیکیشنز کورومل کھلنانی روڈ
کراچی ۱ سے شائع کیا۔

ساگر زمان

پیش لفظ

اردو میں جاسوسی ناولوں کی ابتدا منشی تیرتھ رام فیروزپوری کے تراجم سے ہوئی۔ ماحول اور کردار غیر ملکی ہونے کی وجہ سے ان تراجم کو پسند کرنے والوں کا حلقہ محدود رہا۔ اسلئے کچھ لوگوں نے مارس لیبلانک کے جاسوسی ناولوں (جو کسی صورت سے بھی جاسوسی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں) کے کردار آرسن لوپن کو بہرام اور دوسرے مختلف کردار اور مقامات کو ہندوستانی ماحول میں ڈھال کر اپنا نام بطور مصنف کے لکھکر عوام کے سامنے پیش کیا۔ یہ ناول کافی پسند کئے گئے۔

خاص طور پر "بہرام" کی شکل میں لوپن کو بہت پسند کیا گیا۔ ان ناولوں کے بارے میں ابن صفی صاحب نے ایک بہت حسین جملہ کہا تھا۔

کہ "یہ ناول پڑھکر بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی انگریز سوٹ پہنے سر پر گاندھی کیپ لگائے چلا آرہا ہے۔

ان ناولوں کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے مختلف قسم کے بہرام پیدا کر لئے۔ اور بہرام کے نام پر نام نہاد جاسوسی ناولوں کی وہ بھرمار ہوئی کہ توبہ ہی بھلی۔

ان حالات میں ابن صفی صاحب نے "جاسوسی دنیا" الہ آباد کے تحت جاسوسی ناولوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا۔ (بشرطیکہ ان کو جاسوسی ناول کہا جائے) کیونکہ میرے

خیال میں ابن صفی کے ناول حقیقت میں جاسوسی ناولوں کی پیروڈی ہوتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ پیروڈی لکھنے میں ان کو ملکہ حاصل ہے تو غلط نہ ہوگا۔ (جاسوسی دنیا الہ آباد کے ناولوں کے علاوہ) اسکی سب سے بڑی مثال ان کا ناول زلفیں پریشان ہوگئیں۔ اور وہ مضامین ہیں جو جاسوسی دنیا کے میگزین ایڈیشن میں شائع ہوئے تھے۔

میرے مندرجہ بالا الفاظ سے آپ اس غلط فہمی میں نہ پڑیں کہ میں ابن صفی صاحب کی تحریر کے بارے میں کوئی بری رائے رکھتا ہوں لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ قارئین نے ابن صفی صاحب کے اس انداز تحریر کو کافی پسند کیا۔ اور تین چار سال کے قلیل عرصے میں انھیں وہ ہمہ گیر مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال دنیا کے کسی ادب میں نہیں ملتی۔

"جاسوسی دنیا" کا یہ سلسلہ قارئین کی اس پسند کو مدنظر رکھ کر شروع کیا گیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ قارئین نے اسے کافی پسند کیا ہے۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا۔ کہ "جاسوسی دنیا" کی ظاہری و باطنی خوبیوں میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری کوشش اس سلسلے کو بہتر سے بہتر بنانے میں ہمیشہ جاری رہیگی۔

احمد سعید

انتساب

جسے صحیح معنوں میں دوست سمجھا جاسکے وہ
زندگی میں بہت کم ملتا ہے۔ مجھے بھی اپنی زندگی
میں صرف ایک ہی دوست ملا۔ اس ناول کو
میں اپنے اسی دوست "معین الدین صدیقی"
کے نام سے منسوب کرتا ہوں۔

ایچ۔ اقبال

عنوانات

ماہ جون کا آگ برساتا ہوا سورج نصف النہار پر پہونچ چکا تھا۔

"سندری جنگل" کی پولیس چوکی کے انچارج سب انسپکٹر ساجن نے ایک طویل انگڑائی لی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر میز پر رکھا اور رومال اٹھا کر چہرے کا پسینہ خشک کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس وقت کو بھی کوستا جا رہا تھا۔ جب اسے اس چوکی کا انچارج بنایا گیا تھا۔

سندری جنگل کے سرے پر واقع یہ پولیس چوکی شہر سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھی۔ اس چوکی میں سب انسپکٹر ساجن کے علاوہ ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر اور آٹھ مسلح سپاہی ہمہ وقت چوکنا رہتے تھے۔ ان کی رہائش کا انتظام بھی یہیں تھا۔ چوکی کے پیچھے کوارٹرز بنے ہوئے تھے۔

پسینہ خشک کر کے ساجن نے سگریٹ نکالی اور پھر اسے ہونٹوں میں دبا کر سلگانے ہی والا تھا کہ چوکی کے باہر سے ہلکے سے شور کی آواز آئی اس نے سگریٹ سلگانے کا ارادہ ملتوی کیا۔ اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل آیا۔

چوکی کے باہر تین چار سپاہی ایک نوجوان کو پکڑے ہوئے تھے اور

وہ ان کی گرفت سے نکلنے کے لئے زور کر رہا تھا۔
"خدا کیلئے مجھے مت روکو۔۔۔ اندر جانے دو۔۔۔ میں انچارج سے بلنے کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں بونیج قرار پا چکا ہوں۔۔۔ بھوت میرا تعاقب کر رہے ہیں۔۔۔ سڑک کے موڑ پر ایک قتل ہو گیا ہے۔۔۔ مجھے بچاؤ۔۔۔ ورنہ میں بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔۔۔ بھوت میرے تعاقب میں ہیں۔۔۔ انہوں نے مجھے بونیج قرار دیدیا ہے۔"
وہ ہذیانی انداز میں چیختا رہا۔ اور پھر ساجن پر نظر پڑتے ہی گڑگڑایا۔
"انسپکٹر خدا کے لئے مجھے ان لوگوں سے چھڑاؤ۔"
ساجن بڑی دلچسپی سے نوجوان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ اپنے قریب کھڑے ہوئے اسسٹنٹ سب انسپکٹر صادق کی طرف مڑا۔
"کیا چکر ہے بھئی۔" اس نے پوچھا۔
"جناب یہ آدمی بے تحاشہ بھاگتا ہوا یہاں آیا تھا۔ چوکی میں گھسنا چاہتا تھا۔ کہ سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ یہ بھی نہیں بتاتا کہ ماجرا کیا ہے۔ بس یہی کہے جاتا ہے کہ اسے آپ سے ملنا ہے۔"
"ہوں۔" ساجن پھر اس نوجوان اور سپاہیوں کی کھینچا تانی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"خدا کے واسطے۔۔۔ انسپکٹر۔۔۔!" نوجوان گڑگڑایا۔
"چھوڑ دو اسے۔" ساجن نے سپاہیوں سے کہا۔
سپاہیوں کی گرفت سے نکلتے ہی وہ نوجوان تیر کی طرح ساجن کی طرف آیا تھا۔ ساجن تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ شائد اسے نوجوان کی صحیح الدماغی میں شبہ ہو گیا تھا۔

"اندر..... انسپکٹر..... اندر..... چوکی میں..... جلدی....."
نوجوان کے لہجہ میں گھبراہٹ تھی۔
"بات کیا ہے۔" ساجن اسے گھورتا ہوا بولا۔
"بات اندر چل کر بتاؤں گا۔" نوجوان نے خوفزدہ نظروں سے جنگل کے گھنے درختوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
عجیب پاگل سے واسطہ پڑا ہے۔" ساجن جھنجلا گیا۔ اچھا آؤ۔"
پھر وہ چوکی میں جانے کیلئے مڑنے ہی والا تھا کہ ایک فائر ہوا۔ نوجوان کی کربناک چیخ جنگل میں دور تک لہرائی اور پھر وہ تیورا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا ساجن اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔
"دیکھو جانے نہ پائے" وہ چیخا۔ فائر سامنے کے درختوں سے ہوا ہے۔"
سپاہی بندوقیں سنبھالتے ہوئے درختوں کی طرف دوڑ گئے۔
ساجن نوجوان کی لاش پر جھک گیا۔ گولی اس کے سر کی ہڈی توڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ اور سرخ سرخ گاڑھا خون چاروں طرف پھیلتا جا رہا تھا۔
جنگل آدھے گھنٹے تک سپاہیوں کے وزنی بوٹوں کی آوازوں گونجتا رہا۔ لیکن نتیجہ..... صفر کے علاوہ اور کچھ نہ نکلا۔ سپاہی تھک ہار کر چوکی کی طرف واپس لوٹ آئے۔ یہاں سب انسپکٹر ساجن انہیں جھاڑنے کے لئے گویا تیار ہی بیٹھا تھا۔
"تم لوگوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ناکارہ ہو بالکل۔"
"جناب۔!" ایک سپاہی نے دبی زبان سے کہا۔ "اس گھنے جنگل میں کسی کو تلاش کر لینا چند آدمیوں کے بس کی بات نہیں۔"

"بکواس مت کرو" ساجن دہاڑا۔
سپاہی سر جھکا کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ انہیں اپنے آفیسر کی خواہ مخواہ کی جھاڑ سخت ناگوار گزری ہے۔

مگر ساجن بیچارہ بھی کیا کرتا۔ رہ رہ کر اسکے تصور میں آفیسران کے چہرے ابھر رہے تھے اور اسے ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ سامنے کھڑے اس سے باز پرس کر رہے ہیں۔

چند منٹ بعد لاش اٹھا کر چوکی کے اندر لائی گئی۔ ساجن سوچ رہا تھا۔ کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ دفعتاً اس کے ذہن میں مقتول نوجوان کا ایک جملہ گونجا۔ "سڑک کے موڑ پر ایک قتل ہو گیا ہے۔"

ساجن بڑبڑایا۔ "مجھے فوراً وہاں پہونچنا چاہیئے۔"

"جی مجھ سے کچھ کہا۔" صادق جو اس کے قریب کھڑا تھا بولا۔

"ایں ۔۔ ہاں ۔" ساجن نے چونکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں مقتول کے الفاظ یاد ہیں ۔۔ ؟"

"اس نے یہی کہا تھا۔ کہ سڑک کے موڑ پر ایک قتل ہو گیا ہے۔"

"اوہ .... جی ہاں ...."

"بس تو پھر چلو۔ تم جیپ میں بیٹھو۔ میں روزنامچے میں روانگی کا وقت لکھ آؤں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں چار سپاہی چھوڑ دیئے جائیں۔"

(۲)

پولیس جیپ تیزی کے ساتھ جنگل کے درمیان میں بنی ہوئی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ صادق اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور ساجن اس کے

برابر میں بیٹھا ہوا سگریٹ کے مسلسل کش لے رہا تھا۔ چار سپاہی پچھلی نشستوں پر تھے۔

سندری اور صنوبر کے درختوں کی دو رویہ قطار دور تک چلی گئی تھی۔ یوں تو اس جنگل میں نہ جانے کتنی اقسام کے درخت تھے۔ لیکن سندری کے درختوں کی افراط تھی۔ اور شائد اسی لئے اس جنگل کو لوگ "سندری جنگل" کہنے لگے تھے۔

یہاں چیتل۔ ہرن۔ لومڑی۔ اور خرگوش کافی تعداد میں تھے جنکی وجہ سے یہ جنگل شکاریوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ سردیوں کے موسم میں یہاں ہر وقت بندوقیں گرجا کرتی تھیں۔ لیکن مئی اور جون کے دو مہینے ایسے ہوتے تھے۔ جب یہاں اکّا دکّا ہی شکاری نظر آتے تھے۔ اور یا پھر بالکل ہی سناٹا رہتا تھا۔

یہ سڑک جس پر اس وقت پولیس جیپ دوڑ رہی تھی۔۔۔ جنگل کے درمیان میں بے شمار درختوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ مقصد یہی تھا۔ کہ جنگل پار کی ایک چھوٹی سی آزاد ریاست شہید پور سے دارالحکومت کا تعلق قائم رہے۔

اس وقت جنگل پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف پولیس جیپ کے انجن کی کرخت آواز سناٹے کا سینہ چھلنی کرتی چلی جا رہی تھی۔

یکایک صادق چونکا۔ "ارے یہ لوگ کون ہیں ۔۔۔؟"

"غالباً شکاری ہوں گے۔" ساجن نے سامنے سے آتی ہوئی موٹر پر نظریں جما دیں۔ "یا ممکن ہے۔ ریاست سے کوئی آ رہا ہو۔"

موٹر لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک ساجن بولا۔ "گاڑی روکو۔۔۔" کوئی شخص گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال کر ہمیں

ٹرکنے کا اشارہ کر رہا ہے۔"

صادق نے رفتار کم کرنا شروع کی۔ اور ایک منٹ بعد ہی دونوں گاڑیاں ایکدوسرے کے قریب پہونچکر رُک گئیں۔

آنے والی کار سیاہ رنگ کی اسٹوڈی بیکر تھی۔ اس میں سے چار آدمی اترے۔ ایک بوڑھا تھا لیکن مضبوط جسم کا مالک۔ باقی تینوں نوجوان تھے۔

"فرمائیے۔۔؟" ساجن جیب سے اتر کر ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"آپ کا تعلق اسی پولیس چوکی سے ہے۔ جو جنگل کے سرے پر ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ فرمائیے۔"

"ہم لوگ آپ ہی کے پاس آرہے تھے۔"

"جی۔"

"ہمیں یقین تھا کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔"

"آپ گفتگو کو مختصر کرنے کی کوشش کریں۔" ساجن کا لہجہ خشک تھا۔

"اوہ۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ ہے، کہ جب ہم یہاں شکار کھیلنے آئے تھے تو ہماری تعداد چھ تھی۔ لیکن ۔۔۔۔ اب ہم چار ہی رہ گئے ہیں۔"

بوڑھا پھر خاموش ہوگیا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ ساجن نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آپ صاف صاف بات کریں تو بہتر ہے۔"

"خانصاحب!" دفعتاً ایک نوجوان بولا۔ "آپ تو خواہ مخواہ گفتگو کو طول دے رہے ہیں۔ آپ خاموش رہیں۔ میں خود ہی بات کروں گا۔ ہاں تو

انسپکٹر صاحب! در اصل ہم چھ آدمی یہاں شکار کھیلنے آئے تھے۔
شکار کھیلتے کھیلتے ہمارے دو ساتھی بچھڑ گئے۔ اور تلاش بسیار کے
باوجود نہ مل سکے۔ کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکیں گے۔"
"کیا آپ کے ان دونوں ساتھیوں میں سے کوئی نوجوان بھی تھا؟"
ساجن نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
"جی ہاں۔"
"اس کا حلیہ۔۔۔؟"
"گندمی رنگ۔ آنکھیں اور بال بھورے۔ لانبا قد۔ اور ایک خاص
پہچان یہ کہ اسکے ماتھے پر کسی چوٹ کا نشان خاصہ نمایاں ہے۔"
ساجن مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگا کیونکہ یہ سب نشانیاں اس
نوجوان میں موجود تھیں جو پولیس چوکی پر قتل ہوا تھا۔
"آپ کچھ پریشان ہو گئے۔" بوڑھا بولا۔
"آں۔۔۔۔ ہاں۔" ساجن چونک کر کہا۔ "اچھا دیکھئے۔۔۔ آپ
لوگ پولیس چوکی پہونچیں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"
"آپ۔۔۔۔" نوجوان بولا۔ "میرا مطلب ہے کیا آپ نے ہمارے
نوجوان ساتھی کو دیکھا ہے۔"
"جی ہاں۔ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے۔ کہ آپ کے وہ
ساتھی قتل ہو چکے ہیں۔"
"قتل۔۔۔؟" ان چاروں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ اور وہ پھٹی
پھٹی آنکھوں سے ساجن کو دیکھنے لگے۔
"جی ہاں قتل۔" ساجن نے کہا۔ پولیس چوکی میں لاش موجود ہے۔"

"اور دوسرے ۔۔۔ ؟" نوجوان نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو ہمارے دوسرے ساتھی کے متعلق بھی کچھ معلوم؟ ان کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ آپ پولیس چوکی پہونچیں والس پر میں شائد آپ کو کچھ بتا سکوں۔" ساجن کہتا ہوا جیپ میں بیٹھ گیا۔ صادق نے انجن اسٹارٹ کیا۔ اور ذرا ہی دیر میں اسٹوڈی بیکر ان سے بہت پیچھے رہ گئی۔ ساجن نے پھر سگریٹ سلگا لیا تھا۔

کچھ دور آگے جا کر سڑک پچھتر ڈگری کا زاویہ بناتی ہوئی بائیں ہاتھ کو گھومی تھی۔ وہاں پہونچکر صادق نے جیپ روک دی۔ اور وہ سب نیچے اتر آئے۔

"یہاں تو کوئی لاش نظر نہیں آتی۔" ساجن نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔" ہمیں درختوں کے پیچھے چل کر دیکھنا چاہیئے۔"

وہ سب سڑک سے ہٹ کر کافی دیر تک قریب وجوار کے جنگل میں پھرتے رہے۔ لیکن بے سود۔ لاش تو لاش انہیں خون کا ایک دھبہ بھی نہ مل سکا تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر سڑک پر آگئے۔

چند منٹ بعد انکی جیپ واپس چوکی کی طرف جا رہی تھی۔

ساجن کا ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ یہ بات تو اسکی دانست میں گویا طے ہی تھی کہ یہ کیس محکمہ سراغرسانی کو ریفر کر دیا جائے گا۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد اس نے صادق کو مخاطب کیا۔" کہو کیا خیال ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ لاش کہاں غائب ہوگئی۔" صادق نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔" یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا۔ کہ مقتول کا بیان غلط ہوگا۔ لیکن اگر قتل ہوا ہی تھا تو لاش کہاں غائب ہوگئی۔ کم از کم

خون کے دھبے تو ملنا ہی چاہیئے تھے۔

"یہ بات واقعی قابل غور ہے" صادق نے کہا۔

چند لمحے توقف کے بعد ساجن بولا۔" اور مقتول کے وہ الفاظ جو اس نے ہذیانی انداز میں کہے تھے۔ بھٹوٹ۔ اور بوئیج۔ میں نے یہ لفظ آجتک نہیں سُنے"

"یہی میں اپنے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں"

پھر پولیس چوکی پہنچنے تک وہ دونوں خاموش ہی رہے۔

یہاں ایک ایسا حادثہ ان کا منتظر تھا جس نے ساجن کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے۔ چاروں سپاہی جنہیں چوکی پر چھوڑ آگیا تھا۔ بیہوش پڑے تھے۔ اور نوجوان کی لاش غائب تھی۔ ان شکاریوں کا بھی پتہ نہ تھا۔ جو انہیں راستے میں ملے تھے۔

بدقت تمام سپاہیوں کو ہوش میں لایا گیا۔ ان کا بیان ایسا ہی تھا کہ ساجن سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ان پے درپے پراسرار واقعات نے اس کا ذہن مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

سپاہیوں کے بیان کے مطابق ہوا یہ تھا۔ کہ ساجن وغیرہ کے جانے کے بعد ایک سیاہ رنگ کی موٹر چوکی پر آ کر رکی۔ اور اس میں سے چار آدمی اترے۔ وضع قطع سے وہ شکاری معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے سپاہیوں سے کہا۔ کہ وہ راستے میں ساجن سے مل چکے ہیں۔ اور اس سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں پولیس چوکی میں کوئی قتل ہو گیا ہے۔ یہ بتانے کے بعد ان چاروں نے لاش دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔۔۔ کیونکہ وہ ان کا گمشدہ ساتھی بھی ہو سکتا تھا۔۔۔؟"

سپاہیوں نے لاش دکھا دینے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ پھر وہ انہیں لاش کے پاس لیجانے کے لئے مڑے ہی تھے کہ شکاریوں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور انکی ناکوں میں بھیگے ہوئے رومال رکھدیئے۔ رومالوں کو غالباً کلوروفارم سے تر کیا گیا تھا۔ سپاہی فوراً بیہوش ہو گئے۔

شکاریوں کا جو حلیہ بیان کیا گیا۔ وہ انہیں شکاریوں کا تھا۔ جو ساجن کو راستے میں ملے تھے۔

چند لمحے بعد سب انسپکٹر ساجن فون پر پولیس ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

قتل کی کہانی

اس واقعے کے تیسرے دن .....

کرنل فریدی اپنے آفس میں بیٹھا سگار سلگا رہا تھا۔ کہ فون کا بزر چیخ اٹھا۔ فریدی نے سگار سلگا کر ایک طویل کش لیا۔ اور بائیں ہاتھ سے ریسیور اٹھا لیا۔

ہیلو! کرنل فریدی اسپیکنگ۔"

"ڈی ایس پی ہیئر" آواز آئی "آپ میرے آفس میں آئیں۔"

"چند منٹ انتظار کریں۔ فریدی نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اسے اس بات کی قطعی پرواہ نہ تھی۔ کہ اس کے اس طرح سلسلہ منقطع کر دینے پر ڈی ایس پی بڑی طرح جھلا گیا ہو گا۔

یہ ڈی ایس پی پہلے کسی چھوٹے ضلعے میں تھا۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے اس کا تبادلہ مرکزی محکمے میں ہوا تھا۔

یہاں آتے ہی اس نے اپنے ماتحتوں پر "آفیسرانہ رعب" جھاڑنا شروع کر دیا تھا۔ فریدی کو بھی کئی بار اپنے آفس میں بلا کر چند الٹی سیدھی باتیں کی تھیں۔ اور پھر رخصت کر دیا تھا۔

آخر فریدی کو ہی فیصلہ کرنا پڑا۔ کہ وہ بھی اپنے طرزِ عمل سے اسے تنگ کردیگا وہ نہایت اطمینان کے ساتھ بیٹھا سگار کے کش لیتا رہا۔ اور جب پانچ منٹ گزر گئے تو وہ اپنی کرسی سے اٹھا۔

کیپٹن حمید اپنی میز پر بیٹھا کسی نیکڈ میگزین کے اوراق پلٹ رہا تھا کرسی کھسکنے کی آواز پر اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ فریدی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ اور پھر اپنے "کام" میں مشغول ہو گیا۔

اسکے قریب سے گزرتے ہوئے فریدی کی نظر میگزین کی ایک عریاں تصویر پر پڑی۔ اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ چند لمحے حمید کو تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ اور پھر بولا۔

"حمید! کسی دن میں تمہیں ان رسالوں سمیت دفن کردوں گا۔"

"جی!" حمید نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ "کیا مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں۔"

فریدی کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل آیا۔

چند منٹ بعد وہ ڈی ایس پی کے کمرے میں تھا۔ ڈی ایس پی۔ اسے دیکھکر غرایا۔ "آپ نے فون کا سلسلہ کیوں قطع کیا تھا۔"

میرا خیال ہے۔ کہ ہماری گفتگو ختم ہو گئی تھی۔

"لیکن میں آپ کا آفیسر ہوں۔" ڈی ایس پی نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے گفتگو کرتے وقت آپ مجھ سے پہلے ریسیور نہیں رکھ سکتے۔"

"اچھا۔" فریدی نے اس انداز میں حیرت ظاہر کی جیسے یہ "راز" اس پر ابھی ابھی منکشف ہوا ہو۔

ڈی ایس پی جھلا کر رہ گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا "سندری جنگل کے مرڈر کیس کے سلسلے میں آپ نے کیا کیا۔"

"اسکی فائل مجھے صرف ایک گھنٹے بیشتر ملی ہے۔"

"خیر۔ اس وقت میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ نے فون کا سلسلہ کیوں منقطع کیا تھا۔"

"گویا آپ مجھ سے جواب طلب کر رہے ہیں۔" فریدی نے اپنے داہنے ابرو کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے آپ باقاعدہ ایکسپلینیشن کال کریں۔"

"کرنا ہی پڑے گی۔" ڈی ایس پی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اچھا میں اب چلتا ہوں۔" فریدی نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "آفس کا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

ڈی ایس پی اسے بے بسی سے دیکھتا رہا۔ اور وہ آفس سے باہر آگیا۔ ایک منٹ وہ اپنے کمرے میں تھا حمید سے اس نے میگزین چھینا۔ میز کی درازوں کی تلاشی میں دو میگزین اور ہاتھ لگے۔ ایک میگزین میز پر بھی رکھا ہوا تھا۔ چاروں رسالے اکٹھا کر کے فریدی اپنی میز پر آیا اور پھر اس نے چپراسی کو بلانے کیلئے گھنٹی بجائی۔

حمید خاموشی سے اسکی طرف دیکھتا رہا۔ اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ چپراسی کے آنے پر فریدی نے میگزین اسکے حوالے کئے اور کہا۔ "انہیں لیجا کر جلا دو۔" چپراسی سر ہلا کر چلا گیا۔

"حضور والا!" حمید بولا۔ "میرا وعدہ ہے کہ یہ حضرت میگزین جلانے کے بجائے اپنے کلیجے سے لگا کر رکھیں گے۔ اور یہی کیا، ہر ذی عقل آدمی ایسا ہی کرے گا۔ ان تصاویر کو دیکھکر روح میں بالیدگی آجاتی ہے۔"

"گزرگی" فریدی بولا۔ اور گوشت گل سڑ کر ہڈیوں سے الگ ہوجاتا ہے۔ حمید اس سے بہتر تو یہ تھا۔ کہ تم پیدا ہوتے ہی مرجاتے"
"بلکہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مرجاتا"
فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ میز کی درازوں کو مقفل کر رہا تھا۔ حمید اپنی ٹائی کی گرہ درست کرنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں آفس کی عمارت سے باہر تھے۔
ہمیں سندری جنگل چلنا ہے" فریدی اپنی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

(۲)

حمید نے "دیس" خرید تو لی تھی۔ لیکن اسے استعمال بہت کم کرتا تھا۔ اسکی پہلی وجہ تو یہ تھی۔ کہ وہ آئے دن خراب ہوجاتی تھی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ حمید اسے پسند ہی نہ کرتا تھا۔ اسی لئے وہ اکثر فریدی کی لنکن لے بھاگتا۔ اور فریدی کو دشواری پیش آجاتی۔ آخر تنگ آکر اس نے حمید کو ایک شاندار "کرسلر" خرید دی۔ اس کار کی خوبی یہ تھی۔ کہ اسے گرمیوں میں ایرکنڈیشنڈ بنایا جاسکتا تھا۔ اور سردیوں میں اسکی چھت الگ کی جاسکتی تھی۔ صرف ایک بٹن دبانے کی دیر ہوتی۔ اور چھت ایک ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ سکڑ کر کار کے پیچھے ڈکے میں جا چھپتی۔
آجکل حمید اسی پر آفس آیا جایا کرتا تھا۔ اسلئے اس وقت بھی اسے کرسلر ہی سنبھالنا پڑی۔ حالانکہ اسے فریدی ہی کے ساتھ جانا تھا۔
بیس منٹ میں ان دونوں کی کاریں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی سندری جنگل کی پولیس چوکی کے سامنے جاکر رک گئیں۔
سب انسپکٹر ساجن اس وقت باہر ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے

آگے بڑھ کر ان دونوں سے مصافحہ کیا۔ وہ فریدی کو پہلے سے جانتا تھا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ فریدی نے اسے آج پہلی ہی بار دیکھا ہو۔
ساجن ان دونوں کو چوکی کے اندر اپنے کمرے میں لے گیا۔
"تشریف رکھئے جناب ۔۔۔! کیسے تکلیف فرمائی ۔"
"میں اس مرڈر کیس کے سلسلے میں آیا ہوں"۔
"اوہ ۔۔۔! تو وہ کیس آپ ہی کے سپرد کیا گیا ہے۔ چلیئے یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ اس کیس کیلئے آپ سے زیادہ موزوں آدمی کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"
"پوسن ۔۔۔۔ بٹر ۔۔۔۔ مکھن ۔۔۔۔" حمید زیرلب بڑبڑایا۔
"جی!" ساجن چونک کر اسکی طرف دیکھنے لگا۔
فریدی نے حمید کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ اور پھر ساجن سے مخاطب ہو گیا۔
"آپ تمام واقعات شروع سے سنائیں"۔
حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ساجن نے قتل کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔ حمید بڑی دلچسپی سے سنتا رہا۔
ساجن کے خاموش ہوتے ہی فریدی بڑبڑایا "غلطی ۔۔۔ بہت فاش غلطی ۔۔۔ انسپکٹر۔ آپ نے بہت بڑی غلطی کی مجھے حیرت ہے کہ آپ کو ان شکاریوں پر شبہ نہیں ہوا"۔
"بظاہر شک کرنے کی کوئی وجہ بھی تو نہ تھی"۔
"وجہ نہ تھی ۔۔۔؟" فریدی نے حیرت سے کہا "کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ کیا آپ نے ابھی یہ نہیں بتایا تھا۔ کہ مقتول نیلی مرچ کے سوٹ میں تھا"۔
"بتایا تھا ۔۔۔ مگر اس میں شک کرنے کی کیا بات ہے؟" ساجن کے لہجہ میں تحیّر تھا۔

"قطعی ہے۔" فریدی نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "اگر وہ شکاریوں کے لباس میں ہوتا تو شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ لیکن ایسی صورت میں.... نہیں انسپکٹر.... اگر وہ ان چاروں شکاریوں کا ساتھی ہوتا تو اپنے ساتھیوں کی طرح خود بھی اسی قسم کے لباس میں ہوتا۔ نہ کہ عمدہ قسم کے سوٹ میں۔"

"اوہ...." ساجن بڑبڑایا۔ "واقعی.... میں نے اس نکتے پر غور نہیں کیا۔"

"خیر...." فریدی نے کہا۔ "جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب آپ...."

"ٹھہریئے۔" ساجن بولا۔ "قطع کلام معاف۔ کیا آپ اندازہ قائم کر سکتے ہیں۔ کہ ان چاروں نے جو بظاہر شکاری معلوم ہوتے تھے۔ ہمیں راستے میں کیوں روکا تھا۔"

"فی الحال میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔" فریدی نے کہا۔ اور پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "ہاں تو میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ نوجوان مقتول ہذیانی انداز میں جو کچھ بھی چیخ رہا تھا۔ آپ اسے لفظ بہ لفظ دہرا سکیں گے۔"

"لفظ بہ لفظ تو شائد نہ بتا سکوں۔"

"آپ کو جو کچھ یاد ہو وہی بتایئے۔"

"ٹھہریئے۔ میں یاد کرتا ہوں۔" ساجن نے کہا۔ اور خاموش ہوگیا۔ ایک منٹ تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"سنیئے.... وہ کہہ رہا تھا.... بھوت میرے تعاقب میں ہیں مجھے بونیج قرار دیا جا چکا ہے۔ سڑک کے موڑ پر ایک قتل ہوگیا ہے.... وہ لوگ مجھے بھی قتل کر دیں گے.... بس کچھ اسی قسم کی بکواس تھی۔"

ساجن خاموش ہوکر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بونیبج.... بھٹوٹ.... فریدی اس انداز میں بڑبڑایا۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ دو تین منٹ تک اسی پوزیشن میں ساکت وصامت بیٹھا رہا۔ اور یکایک اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمحے کے لئے حمید کو ایسا لگا۔ جیسے فریدی کی آنکھوں میں بجلی سی کوندگئی ہو۔

"اُف میرے خدا.... وہ پھر بڑبڑایا" بونیبج.... بھٹوٹ.... وہ دہشت ناک گروہ.... وہ خونی تحریک.... کیا وہ پھر زندہ ہوگئی ہے"۔

وہ خاموش ہوکر جلدی جلدی سگار کے کش لینے لگا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا۔ جیسے وہ ذہنی طور پر ہیجان میں مبتلا ہو۔ ساجن اور حمید اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ یکایک وہ چونکا۔ اور پھر ساجن کو مخاطب کرکے بولا۔

"بونیبج اور بھٹوٹ.... آپ کو یقین ہے کہ مقتول نے یہ دونوں لفظ کہے تھے۔"

"مکمل یقین ہے۔"

"اوہ.... اوہ...." فریدی کرسی سے اٹھکر مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور آنکھوں میں کچھ عجیب سی بےچینی تھی۔ اچانک اس نے رک کر اپنی انگلیوں میں دبا ہوا سگار فرش پر پھینکا۔ اور اسے اپنے جوتے سے مسلتا ہوا بولا۔

"انسپکٹر ساجن! میں اس جگہ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس کی طرف مقتول نے اشارہ کیا تھا۔ کہ وہاں کسی کو قتل کیا گیا ہے۔"

"میں دو مرتبہ اس جگہ کا معائنہ کرچکا ہوں۔ مجرموں نے کسی قسم کا سُراغ نہیں چھوڑا۔"

"پھر بھی میں اسے دیکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"بہتر ہے.... آیئے۔" ساجن اٹھ کھڑا ہوا۔

فریدی اور حمید نے اپنی کاریں وہیں چھوڑ دیں اور پولیس جیپ میں بیٹھ گئے۔ ساجن نے اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ صادق کو چوکی ہی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ صرف ایک سپاہی ان کے ساتھ تھا۔

"کیوں حمید صاحب!" فریدی بولا۔ "کیا خیال ہے۔ ان دونوں لفظوں کے متعلق؟"

"ایک پاگل کی بڑ۔"

"لیکن اس پاگل کی بڑ نے مجھے ایک بڑے خطرے سے آگاہ کیا ہے۔"

"کیا ہوگا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس جیپ ایک جگہ رک گئی۔

"یہی ہے۔ وہ جگہ۔" ساجن کہتا ہوا نیچے اتر گیا۔

فریدی نے جیپ میں بیٹھے بیٹھے اطراف کا جائزہ لیا۔ اور پھر وہ بھی نیچے اتر گیا۔ حمید نے اسکی تقلید کی تھی۔

فریدی نے چند لمحے کچھ غور کیا۔ اور پھر بائیں طرف کے درختوں کے جھنڈ میں گھستا چلا گیا۔ ساجن اور حمید اسکے پیچھے تھے۔ سپاہی کو جیپ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ فریدی اپنی عقابی نظروں سے ایک ایک انچ کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اچانک حمید نے فریدی کو ٹھٹک کر رکتے دیکھا۔ وہ اور ساجن تیزی سے آگے بڑھے۔ اور پھر ان دونوں کی نظریں بھی اس گڑھے پر جم گئیں جو فریدی کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ گڑھے کی لمبائی ڈھائی گز کے قریب تھی اور چوڑائی ڈیڑھ گز۔ مٹی ڈھیر

کی صورت میں گڑھے کے کناروں پر جمع تھی۔

" یہ گڑھا" فریدی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ انسپکٹر! کیا یہ اس دن بھی تھا۔ جب آپ یہاں لاش ڈھونڈنے آئے تھے؟"

"جی ہاں ۔"

فریدی نے اپنے سر کو معنے خیز انداز میں جنبش دی۔ اور بولا۔

"اس جنگل میں اس گڑھے کی موجودگی بے معنے نہیں ہے۔ انسپکٹر! اب میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو ان چاروں نے راستے میں صرف اسلئے روکا تھا۔ تاکہ آپ فوری طور پر یہاں نہ پہونچ سکیں"

" مقصد ــــــ ؟"

" صرف یہ تھا۔ کہ ان چاروں کے دوسرے ساتھی اس گڑھے سے لاش نکال لے جائیں ۔"

" لاش گڑھے سے نکال لے جائیں" ساجن حیرت سے بولا" میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ فریدی صاحب ۔"

" سنیئے" فریدی بولا" میں آپ کو اس قتل کی کہانی سناتا ہوں لیکن واضح رہے کہ میں اس کہانی کو درست ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتا۔ مگر اس کیس کے اختتام پر آپ سوچیں گے کہ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ سنیئے ـــ ... وہ نوجوان جو آپ کی چوکی پر قتل ہوا اپنے کسی ساتھی کے ہمراہ شہید پور جا رہا تھا۔ یا ممکن ہے وہاں سے آ رہا ہو۔ ڈسٹرکٹ کے اس موڑ پر انہیں مجرموں نے گھیر لیا۔ ان دونوں نے اپنے دفاع کیلئے کافی جدوجہد کی ہو گی۔ لیکن مجرم چونکہ زیادہ تھے۔ اسلئے ان دونوں کی ایک نہ چلی۔ اور وہ مجرموں کے قابو میں آ گئے۔ نوجوان کے ساتھی کو

گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ نوجوان کی باری آتی وہ ان لوگوں کی گرفت سے نکل گیا۔ اور امداد کے لئے آپ کی پولیس چوکی کی طرف بھاگا۔ مجرم یہ کسی طرح برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کا شکار ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور ان کا راز طشت از بام کر دے۔ چنانچہ ان کا کوئی ساتھی نوجوان کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔ اور دوسروں نے نوجوان کے ساتھی کی لاش اس گڑھے میں دفن کر دی۔ ادھر عین اسی وقت جبکہ وہ نوجوان آپ کو کچھ بتانے والا تھا۔ مجرم کی رائفل کی گولی نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔
فریدی نے خاموش ہو کر جیب سے سگار نکالا۔ اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔
حمید چاروں طرف نظر دوڑا رہا تھا۔ کچھ دیر تو ساجن چپ چاپ فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ لیکن جب خاموشی کا وقفہ بڑھتا ہی چلا گیا تو وہ بول ہی پڑا۔
"کرنل صاحب آپ کچھ کہہ رہے تھے؟"
"آں.... ہاں" فریدی چونک پڑا۔ اسکے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے اپنا سگار سلگایا۔ اور ایک طویل کش لے کر بولا۔
"دوسری طرف مجرم لاش دفن کرنے کے بعد اپنے ساتھی کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔
"ایک منٹ" ساجن ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اتنی جلدی گڑھا کھود کر انہوں نے لاش بھی دفن کر دی"
"آپ کافی باریک بین ہیں" فریدی مسکرایا۔ اور پھر اس نے کہا۔
"انسپکٹر! یہ گڑھا یقیناً پہلے سے تیار رہا ہوگا"
"آپ کا مطلب ہے۔ یہ اسکیم مجرموں نے پہلے سے تیار کر رکھی تھی اور انہیں اس کا بھی علم تھا۔ کہ ان کے شکار کس وقت اس سڑک سے گزریں گے۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ نوجوان کے قاتل نے یہاں پہونچکر اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ کہ نوجوان نے اس جگہ پر ہونے والے قتل کی اطلاع پولیس کو دیدی ہے۔ پھر مجرموں نے سوچا ہوگا۔ کہ جب پولیس کو اس بات کا علم ہوچکا ہے۔ کہ یہاں قتل ہوا ہے۔ تو وہ آج نہیں تو کل، اور کل نہیں تو پرسوں لاش کو ڈھونڈھ ہی نکالے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایک ترکیب سوچی، اور اس پر عمل اس طرح کیا۔ کہ اپنے چار ساتھیوں کو آپ کی طرف روانہ کردیا۔ تاکہ وہ کچھ دیر کے لئے آپ کو اپنی باتوں میں الجھالیں اور ادھر ان کا کام مکمل ہو جائے۔ یعنی وہ گڑھا کھودکر لاش نکال لیں۔۔۔ اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے جب تک آپ یہاں پہونچیں وہ اپنا کام ختم کرچکے تھے۔ انہوں نے لاش اپنے ساتھ لی۔ اور شہید پور کی طرف چلے گئے۔ دوسری طرف ان کے چاروں ساتھیوں نے سپاہیوں کو بیہوش کیا اور نوجوان کی لاش لیکر فرار ہو گئے۔ اس طرح گویا ایک ٹکٹ دو کاج والا معاملا ہوگیا۔ یعنی ایک طرف انہوں نے اپنی باتوں میں الجھا کر آپکو دیر کردی۔ اور دوسری طرف نوجوان کی لاش لے کر فرار ہو گئے۔"

فریدی خاموش ہوکر سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ اسکی نظریں گڑھے پر جمی ہوئی تھیں۔ ساجن اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھنے لگا حمید نے نہ جانے کیوں چپ سادھ لی تھی۔ اچانک ساجن بولا۔

"مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیا۔۔۔؟" فریدی بولا۔

"مجھے وہ لوگ اپنی باتوں میں دس منٹ سے زیادہ نہیں الجھا سکے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام دس منٹ کا نہیں تھا۔ کہ وہ گڑھا کھود کر

لاشش نکال لے جاتے۔"

"بے شک یہ کام دس منٹ کا نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔" نوجوان کے قتل کے بعد آپ کے سپاہی آدھے گھنٹے تک قاتل کو جنگل میں تلاش کرتے رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کو روزنامچے کی خانہ پری کرنے اور جوکی سے روانہ ہونے میں بھی دس منٹ لگے ہونگے۔ گویا چالیس منٹ ہوئے پھر دس منٹ تک وہ لوگ آپ کو الجھائے رہے۔ اور پھر پانچ منٹ آپ کو یہاں پہونچنے میں لگے ہونگے۔ اس طرح آپ پچپن منٹ میں یہاں پہونچے۔ اب آپ اسمیں سے بیس منٹ نکال دیجئے۔ یہ وہ وقت ہوگا جب قاتل اس نوجوان کو جوکی پر قتل کرنے کے بعد یہاں پہونچا۔ باقی رہے پنتیس منٹ۔ کیا آپ کے خیال میں گڑھا کھودنے کیلئے اس سے زیادہ وقت صرف ہوگا۔ جبکہ لاش دفن ہوئے زیادہ وقت نہ گزرا ہو اور گڑھے کی مٹی نرم ہو۔"

فریدی کے دلائل میں کسی جگہ بھی جھول نہیں تھا۔ ساجن نے دل ہی دل میں اسکی ذہانت کا لوہا مان لیا ہوگا۔

اچانک فریدی چونکا۔ اسکی نظریں گڑھے کے کنارے پھیلی ہوئی مٹی کے ڈھیر پر جمی ہوئی تھیں۔ حمید نے بھی اس طرف دیکھا۔ اور اسے کسی چمکدار چیز کا کونا مٹی کے ڈھیر سے جھانکتا نظر آیا۔ فریدی اسکی طرف جھپٹا تھا۔

پُراسرار لڑکی

دوسرے ہی لمحے فریدی کے ہاتھ میں ایک کارڈ نظر آیا اسکی سطح پر چمکدار سنہرا کاغذ تھا۔ اور اس پر ایک عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ کسی قسم کا شناختی کارڈ معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی نے اسے کھولا۔ دائیں طرف بڑے بڑے حروف میں "دارالحکومت" چھپا ہوا تھا۔ اور بائیں طرف ایک تصویر تھی۔ کسی ادھیڑ عمر آدمی کی تصویر۔ اس کے دائیں طرف کے نچلے کونے میں کسی کے دستخط تھے۔ فریدی نہ سمجھ سکا کہ وہ کس نام کے دستخط تھے۔ لیکن بائیں گوشے میں لگی ہوئی مہر کی تحریر پر نظر پڑتے ہی اس نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ تحریر تھی۔

"بھوانی کا پجاری"

"بلاشبہ یہ وہی تحریک ہے۔ فریدی بڑبڑایا۔

حمید اور ساجن فریدی کے قریب پہونچے۔ حمید نے آگے جھک کر اس کارڈ پر نظر ڈالنا چاہی۔ لیکن اسی وقت فریدی نے کارڈ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ حمید نے اسے گھور کر دیکھا۔ اور ایک طویل سانس لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"آیئے چلیں" فریدی نے ساجن سے کہا۔

وہ تینوں جیپ میں آ بیٹھے۔

راستے میں ساجن بولا۔ "کرنل صاحب! آپ کسی خونی اور دہشت ناک گروہ کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔"

"ارے وہ کچھ نہیں" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرا خیال غلط تھا۔"

"اور یہ کارڈ ــــ ؟"

"ایک اخباری نمائندے کا ہے۔ میں دیکھوں گا کہ یہ یہاں کیسے پہنچا۔"

ساجن خاموش ہوگیا۔

فریدی کے لہجے سے حمید نے اندازہ لگایا تھا۔ کہ وہ ساجن کو ٹال رہا ہے۔

شام کا سُرمئی دھندلکا پھیل چکا تھا۔ جب پولیس جیپ چوکی پہنچی یہاں سے فریدی اور حمید اپنی اپنی کاروں میں شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ سڑک کافی چوڑی تھی۔ حمید اپنی کار فریدی کی کار کے برابر لئے چلا گیا۔

"سنیئے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"کیا ہے ــــ ؟" فریدی بولا۔

"مجھ سے کوئی کام تو نہیں ہے۔"

"کیوں ــــ ؟"

"مجھے ایک کام سے جانا ہے۔"

"میں تمہارے کاموں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"نہیں میں واقعی سنجیدہ ہوں۔"

"میں تمہاری سنجیدگی سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔"

سامنے سے ایک کار آرہی تھی۔ حمید کو اپنی گاڑی پیچھے ہٹا لینی پڑی اور جب وہ کار نکل گئی تو حمید پھر فریدی کی کار کے برابر میں تھا۔

"سُنو فرزند" فریدی اپنی کار سے بولا۔ تمہیں کیفے کاسینو جانا ہے نا۔

"آپ کو کیسے معلوم ؟" حمید سچ مچ متحیر رہ گیا۔

"مجھے حیرت ہے۔ کہ تم اس کے پیچھے کیوں لگ گئے ہو" فریدی بولا۔ نیلو فر کچھ زیادہ خوبصورت لڑکی تو نہیں "

حمید ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ فریدی کی معلومات اسکے لئے تعجب خیز تھیں۔ اس نے چیخ کر کہا۔ " جناب والا۔ کسی کی ٹوہ میں لگے رہنا کچھ ایسا اچھا شغل نہیں ہے "

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ چند لمحے ہنسا رہا۔ پھر بولا۔

" فرزند من ! اگر ایسا ہے تو ہمیں اپنا پیشہ ترک کر دینا چاہئے۔ ویسے اطلاعًا عرض ہے کہ یہ معلومات خود بخود مجھ تک پہونچی ہیں "

" مگر...... " حمید نے کچھ کہنا چاہا، لیکن اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی فریدی نے اپنی کار کی رفتار تیز کر دی۔ اور اسے آگے لئے چلا گیا۔ حمید نے بھی رفتار بڑھانا چاہی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر رہ گیا۔

فریدی کے اس طرح آگے بڑھ جانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا۔ کہ حمید کو کھلی چھٹی دیدی گئی۔ یعنی وہ کیفے کاسینو جا سکتا ہے۔ اس نے آگے جاکر اپنی کار اس سڑک پر موڑ دی۔ جو کیفے کاسینو کیطرف جاتی تھی۔ وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کہ فریدی کو کیفے کاسینو اور نیلو فر کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔

نیلو فر بیس اکیس سال کی سانولے رنگ کی لڑکی تھی۔ اسے

خوبصورت تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ بے پناہ سیکس اپیل کی مالک تھی۔ تین دن پہلے حمید نے اسے دیکھا تھا۔ پھر دوسرے دن بھی وہ کیفے کاسینو ہی میں نظر آئی تھی۔ دونوں مرتبہ اسکے ساتھ ایک آدمی موجود تھا۔ اسلئے حمید کو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یہ فیصلہ اس نے ضرور کیا تھا۔ کہ اگر موقعہ ملا تو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔

نیلوفر کا ساتھی بڑے بے تکلفانہ انداز میں اس کا نام لیا کرتا تھا۔ ورنہ حمید کو نیلوفر کا نام ہرگز نہ معلوم ہو سکتا۔

حمید کو اس بات پر بے انتہا حیرت تھی۔ کہ فریدی کو نیلوفر کا نام کیسے معلوم ہوا۔ اس نے تو اب تک نیلوفر سے ایک بات بھی نہ کی تھی۔ تیسرے دن بھی کیفے گیا تھا۔ لیکن اس دن نیلوفر وہاں آئی ہی نہ تھی۔ اور حمید کو مایوس ہو کر لوٹنا پڑا تھا۔ پھر آخر فریدی کو اس بات کا علم کیسے ہو گیا۔

کار دوڑتی رہی اور حمید سوچتا رہا۔ لیکن اسکی سمجھ میں کچھ بھی نہ آسکا۔ آخر تنگ آکر اس نے ان باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ نیلوفر کی موہنی صورت اپنے تصور میں بسالی۔ اب وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اگر آج بھی نیلو اسے اکیلی نہ ملی تو پھر وہ اس کا چکر ہی چھوڑ دیگا۔

کیفے پہونچتے ہی حمید کی باچھیں کھل گئیں نیلوفر ایک میز پر اکیلی ہی بیٹھی تھی۔ حمید نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا۔ جو نیلوفر سے قریب ترین تھی۔ بیرے کو بلا کر اس نے لیمن اسکواش کا آرڈر دیا۔ وہ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ نیلوفر سے کس طرح جان پہچان حاصل کی جا سکتی ہے؟

آخر ہمیں اسکواٹش آنے تک اس نے ایک ترکیب سوچ ہی لی اسکواٹش کا گلاس ہاتھ میں لے کر وہ اپنی میز سے اٹھا۔ اور نیلوفر کی طرف بڑھتا چلا گیا
"معاف کیجئے گا۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ اس سے بولا۔
"جی؟" نیلوفر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے کہا "تشریف رکھیئے۔"
"شکریہ!" حمید بیٹھتا ہوا بولا "آج زاہد صاحب نہیں آئے؟"
"زاہد صاحب....؟" نیلوفر نے پلکے جھپکاتے ہوئے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟"
حمید ہنسنے لگا۔ نیلوفر اسکی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔
"آپ مذاق کر رہی ہیں؟" حمید ہنستا ہوا بولا۔
"نہیں جناب میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ آپ پتہ نہیں کن زاہد صاحب کا ذکر کر رہے ہیں؟"
"انہیں کا جو پرسوں اور پرسوں سے پہلے آپ کے ساتھ بیٹھے تھے۔" حمید نے کہا۔ اور یک لخت اسے ایسا محسوس ہوا جیسے نیلوفر کو اپنی موت نظر آ گئی ہو۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا ہو۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔
"لیکن ان کا نام تو اختر تھا۔"
"تھا۔ کیا مطلب....! کیا اب وہ زندہ نہیں ہیں؟"
"نن.... نہیں....؟" نیلوفر جلدی سے بولی۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ مم.... میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنا نام اختر بتایا تھا۔"
"ان کا پورا نام زاہد اختر ہے۔ میرے بہت قدیم دوست ہیں آج وہ نہیں آئے

"جی.... جی ہاں.... آج وہ نہیں آئے۔" نیلوفر اب بھی کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔ حمید سوچنے لگا، کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ آخر اس آدمی کے حوالے پر نیلوفر اتنا گھبرا کیوں گئی۔

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" اچانک نیلوفر اٹھتی ہوئی بولی۔

"ارے تشریف رکھیئے نا۔ کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا ناگوار گزرا ہے۔"

"نہیں نہیں.... یہ بات نہیں.... بلکہ...."

"ارے بیٹھئے بھی۔" حمید نے بڑی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پھر کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

نیلوفر بیٹھ تو گئی۔ لیکن وہ کچھ مضطرب سی نظر آ رہی تھی۔

"مجھے حمید کہتے ہیں۔" حمید بولا۔ "ساجد حمید.... آپ کا نام نامی؟"

"نیلوفر۔" وہ آہستہ سے بولی۔ اور پھر اس نے کہا۔ "حمید صاحب مجھے اجازت دیں۔ ایک اشد ضروری کام ہے۔"

"اچھا۔" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "مگر پھر کب ملاقات ہوگی۔ کل ڈی فرانس میں ملئے۔"

"اچھی بات ہے۔" نیلوفر پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ضرور.... ؟" حمید نے پوچھا۔

نیلوفر نے گردن ہلائی۔ اور تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ حمید نے جلدی سے بیرے کو بلایا۔ اور اسے پانچ کا ایک نوٹ دیتا ہوا اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے باقی پیسے بھی واپس نہیں لئے اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا کیفے سے باہر آ گیا تھا۔

نیلوفر ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہی تھی۔ حمید اپنی کار کی طرف جھپٹا۔

— چند منٹ بعد اسکی شاندار کرسلر نیلوفر کی ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس تعاقب کا اختتام رنکین اسٹریٹ کی گیارہویں کوٹھی پر ہوا۔ نیلوفر نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا۔ اور کوٹھی میں داخل ہو گئی تھی۔ حمید کافی فاصلے پر اپنی کار روکے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر جب وہ نظروں سے غائب ہو گئی تو اس نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ابھی ساڑھے آٹھ ہی بجے تھے۔ لیکن حمید نے کسی تفریح گاہ کے بجائے گھر ہی کا رُخ کیا۔

(۳)

فریدی کسی سے فون پر گفتگو کر رہا تھا۔ جب حمید کمرے میں داخل ہوا پھر فوراً ہی واپس بھی پلٹ جانا چاہتا تھا۔ کہ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ہاں نگرانی جاری رہنا چاہیئے۔" اور پھر وہ ریسیور رکھ کر حمید کیطرف دیکھنے لگا۔ اسکے ہونٹوں پر بڑی دلآویز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ حمید ایک صوفے پر بیٹھ کر پائپ کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کہو فرزند۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔ "گھر دیکھ آئے اس کا۔"

حمید نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "غالباً یہ بات بھی آپ تک خود بخود ہی پہونچی ہوگی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ چند لمحے ہنستا رہا۔ پھر بولا۔ "نہیں آج تو میں نے تمہاری نگرانی کروائی تھی۔"

"اور اس سے پہلے —؟"

"اس سے پہلے کیا۔"

"یعنی آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ میں آجکل نیلوفر کے چکر میں ہوں"
"اس سلسلے میں تمہاری ایک کمزوری نے راز فاش کیا۔"
"یعنی کیا۔۔۔؟"
"تم رات کو سوتے سوتے اکثر بڑبڑانے لگتے ہو۔۔۔ تین دن پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تم بڑبڑا رہے تھے۔۔۔ ہائے نیلوفر بہ تم کتنی حسین ہو۔۔۔ کل بھی کیفے کاسینو میں آؤگی۔ یا نہیں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔۔۔۔ ہائے ظالم تیری چال کتنی مستانی ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اور یہ واہیات جملے سنکر مجھے متلی سی ہونے لگی تھی۔ دل چاہا تھا۔ کہ تمہیں اسی وقت گولی ماردوں۔"
حمید برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔
فریدی کہتا رہا۔ اور پھر اسکے دوسرے دن مجھے ایک کام کے سلسلے میں کیفے کاسینو جانا پڑا۔ وہاں تم بھی نظر آئے۔ اور وہ لڑکی بھی جو تمہاری نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔"
"آپ وہاں گئے تھے۔۔۔؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔
"ہاں۔۔۔؟"
"لیکن میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔"
"میں میک اپ میں تھا۔"
"اوہ۔۔۔۔ تو کیا آپ پہلے سے کسی کیس پر کام کر رہے ہیں؟"
"ہاں۔ مگر نجی طور پر۔۔۔ کیس فائل تو آصف کے پاس ہے۔"
"اوہ۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ وہ گمشدگیوں والا کیس۔"
"ہاں۔۔۔ حمید صاحب! یہ کیس بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس ہفتے صرف ہمارے شہر سے بائیس ۲۲ آدمی غائب ہوئے ہیں۔ اور ان میں کوئی

بھی ایسا نہیں تھا۔ جو کھپتی سے کم رہا ہو۔"
"تو پھر آپ نے اس سلسلے میں کیا کیا۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔
"صرف ایک بات معلوم ہو سکی ہے۔"
"کیا ــــ؟"
"غائب ہونے والوں میں دو آدمی ایسے بھی تھے جنہیں کئی دن تک نیلوفر کے ساتھ دیکھا جاتا رہا ہے۔"
"نہیں" حمید اچھل پڑا۔
"حقیقت یہی ہے" فریدی بولا۔ "میں نیلوفر کو دیکھنے ہی کے لئے کیفے کاسینو گیا تھا۔ مجھے اطلاع دی گئی تھی۔ کہ وہ اس وقت وہاں موجود ہے۔"
"دھت تیری کی" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "بس قسمت ہی ایسی ہو کر رہ گئی ہے۔ جس لڑکی کے قریب جاؤ وہی مجرموں کی آلہ کار نکلتی ہے۔"
اور حمید صاحب!" فریدی اسکی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ پرسوں رات جو آدمی کیفے میں نیلوفر کے ساتھ تھا۔ وہ کل سے غائب ہے۔"
"ارے۔۔ حمید اچھل پڑا۔ پھر اس نے پُر خیال انداز میں کہا "تو یہ بات تھی۔"
"کیا بات ــــ؟"
جواب میں حمید نے اسے بتایا۔ کہ اس نے نیلوفر سے کس طرح واقفیت حاصل کی تھی۔ اور پھر کہا "اس آدمی کے حوالے پر وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔
"ہوں" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا "بہر حال تم کل ڈی فرانس ضرور جانا۔"
"اب وہ کیا آئے گی۔؟"
"شاید آہی جائے۔ تم جانا تو۔"

"دل اپنا ہوگا۔ یا..... ؟"

"سو فیصدی سرکار!" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔

"اور ہاں!" حمید نے چونک کر کہا۔ "وہ کارڈ کیسا تھا؟"

"کون سا کارڈ..... ؟"

"وہی جو سندری بیگم سے ملا تھا!"

"یہ دیکھو!" فریدی نے اپنی جیب سے وہ کارڈ نکال کر حمید کے سامنے ڈال دیا۔

حمید چند لمحے اس میں لگی ہوئی تصویر دیکھتا رہا۔ اور پھر مہر کی تحریر پر نظر جماتا ہوا بولا۔ "یہ بھوانی کا پجاری کیا چیز ہوتی ہے؟"

"ایک خطرناک چیز ہوتی ہے!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید مستفسرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ لیکن فریدی اپنا سگار سلگانے لگا تھا۔ سگار سلگا کر بھی وہ خاموش ہی رہا۔ تو حمید بول پڑا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"اس میں خطرناکی کی کیا بات ہے۔"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم!"

"شائد آپ بتانا نہیں چاہتے؟"

"شائد!" فریدی کہہ کر پھر خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یکلخت اس کا گفتگو کرنے کا موڈ ختم ہو گیا ہو۔

حمید چند لمحے بیٹھا اسے گھورتا رہا۔ پھر اچانک بولا۔ "ذرا سنیئے۔"

"ہوں۔"

"طول البلد عرض البلد سے کتنے چھٹانک کے فاصلے پر ہے؟"

"اتنے ہی فاصلے پر جتنا فاصلہ تم میں اور عقل میں ہے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اچانک تم الٹی سیدھی باتیں کیوں شروع کر دیتے ہیں؟"

"تو آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے ہیں؟"

"جاؤ دماغ مت چاٹو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "مجھے سوچنے دو۔"

"آپ سوچیے۔ میں سامنے والی دیوار سے بات کر رہا ہوں۔"

"جاتے ہو یا...." فریدی اسے گھور کر رہ گیا۔

حمید برا سا منہ بنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے شب خوابی کا لباس پہنا۔ پھر بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ حمید نے اسے مشکوک نظروں سے گھور کر دیکھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ فریدی نے اسے اپنے کمرے سے فون کیا ہو۔ اکثر ایسا ہوا تھا کہ فریدی نے اپنی خوابگاہ سے اسے فون پر تیار ہونے کیلئے کہا اور تیار ہوتا تو اسے اپنے ساتھ لیا۔ کہیں چل پڑا نتیجے میں ساری رات برباد... ایک آدھ کیس بھی ہاتھ نہ لگتا۔ حمید سوچنے لگا کہ شائد اس وقت بھی بادشاہی حکم ملے گا کہ ایک ٹانگ پر پھدکتے ہوئے میرے پاس آؤ اور ڈیڑھ ٹانگ پر کھڑے ہو کر صبح تک مرغ کی بولی بولتے رہو۔ مگر ایسا ہوا نہیں۔ ریسیور اٹھاتے ہی حمید کا موڈ بحال ہو گیا۔ دوسری طرف قاسم تھا۔

"اے حمید بھائی —!" وہ کہہ رہا تھا۔ "کہاں ہو آجکل میری جان۔"

"کچھ نہ پوچھو قاسم۔" حمید مغموم لہجہ میں بولا۔ "میں تو زندہ درگور ہو گیا۔"

"کیوں.... کیوں کیا ہوا—؟" قاسم کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔

"فریدی صاحب نے میری شادی کر دی۔"

"ہائیں.... نہیں۔ کیوں مذاق کرتے ہو یار۔" قاسم ہنسنے لگا۔
"یقین کرو قاسم۔" حمید نے اپنی آواز میں مزید درد پیدا کرنے کی کوشش کی
اگر جھوٹ سمجھتے ہو تو اپنی بیوی سے بات کرادوں۔"
"امے اگر سچ مچ شادی ہو گئی ہے۔ تو روتے کیوں ہو۔"
"بات کچھ ایسی ہی ہے۔" حمید نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "قاسم! دراصل میری بیوی انتہائی موٹی ہے۔ میرے جیسے اس میں سے چار بنیں گے۔"
"ارے واہ۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "پھر تو مزہ آگیا۔"
"کیوں ـــ ؟"
"میری بیوی دبلی پتلی ہے نا۔ اسے تم لے لو۔ اور اپنی بیوی مجھے۔ اللہ۔ ہش.... ہپ۔" ہپ کی آواز کے ساتھ ہی ایک ہلکا سا کھٹکا بھی سنائی دیا۔ غالباً اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی قاسم نے ریسیور چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پکڑ لیا ہوگا۔
حمید ریسیور رکھ کر اپنے بستر پر لوٹنے لگا۔ وہ اپنا پیٹ پکڑے بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ آخر اسکے آنسو نکل آئے اور دو تین منٹ بعد ہنسی کا یہ طوفان رک سکا۔ حمید سوچ رہا تھا کاش وہ قاسم کی بوکھلاہٹ کا منظر بھی دیکھ سکتا۔
دفعتاً فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی۔ اور حمید نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا اس کا خیال تھا۔ کہ قاسم نے دوبارہ رنگ کیا ہوگا۔ خیال غلط نہیں ثابت ہوا قاسم کی مردہ سی آواز آئی۔
ہیلو.... حمید بھائی۔"

"ہلو قاسم... تم نے ریسیور کیوں رکھدیا تھا؟" حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔
"وہ... فق... کچھ نہیں... تم نے میری بات کا برا تو نہیں مانا؟"
"کیسی بات ــــ؟" حمید نے حیرت ظاہر کی۔
"وہی.... میرا مطلب ہے بیوی... یعنی کہ تبادلہ۔"
"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"
"اچھا خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ تمہیں سائیکل چلانا آتی ہے۔"
"ہائیں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ یہ سائیکل کہاں سے کود پڑی بیچ میں۔
کہیں تم نے کوئی افسانہ تو نہیں لکھا۔ جس کا عنوان ہوگا "بیوی سے سائیکل"
"مذاخ چھوڑو حمید بھائی۔"
"او ہاہا آجکل کے زمانے میں کون ایسا ہے جو سائیکل چلانا نہ جانتا ہو۔"
"اچھا تو پھر کل تم میرے گھر آجاؤ۔"
"کیوں؟"
"بس آجاؤ... میں تمہارا انتجار انتظار کروں گا۔" قاسم نے کہا۔ اور پھر
سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے سوچا کہ اسے دوبارہ رنگ کرے۔ لیکن پھر
نہ جانے کیوں اس نے ایسا نہیں کیا۔

سائیکل سوار گنبد

دوسری صبح حمید نے دردِ سر کا بہانہ کر کے آفس جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر فریدی نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔ پھر وہ بولا "سچ کہہ رہے ہو؟"

"یقین مانیئے میرے پیٹ میں شدید اینٹھن ہو رہی ہے۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی نے اپنے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا کرتے ہوئے کہا "تب تم ناشتہ اور دوپہر کا کھانا گول کر جاؤ۔"

"ارے نہیں" حمید جلدی سے بولا "اب اتنا زیادہ درد بھی نہیں ہے کہ۔۔۔"

"بیکار بات" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا "تمہیں اب صرف رات کو کھانا ملے گا۔ آجکل موسم بُرا ہوا جا رہا ہے۔ ذرا بھی بد پرہیزی کی اور آدمی ڈوبا۔۔۔ چلو" فریدی نے اسے دھکا دیا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"کیوں۔۔۔ کیوں؟" حمید بوکھلا گیا۔

لیکن فریدی نے کچھ کہا نہیں۔ اسے دھکیلتا ہوا اسکے کمرے میں لے گیا۔ اور پھر خود تیزی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

"ارے ارے۔" حمید اندر سے دروازہ پیٹنے لگا۔
"چپ رہو" فریدی نے اسے ڈانٹا۔ اور دروازے کو مقفل کرتا ہوا بولا
"اگر میں تمہیں آزاد چھوڑ گیا تو تم بد پرہیزی کر بیٹھو گے۔"
"لیکن میں تو مذاق کر رہا تھا۔ قسم خدا کی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"
"اب بہانے مت بناؤ۔" فریدی نے کہا۔ اور وہاں سے ہٹ گیا۔
حمید دروازہ پیٹتا ہوا بے تحاشہ چیخنے لگا۔ فریدی صاحب! آپ کے سر کی قسم میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ تو میں نے بہانہ کیا تھا۔ آفس نہ جانے کے لئے۔۔۔۔ سچ کہتا ہوں۔۔۔۔ کھول دیجئے۔۔۔۔ خدا کے واسطے۔۔۔۔ فریدی صاحب۔"
مگر فریدی نے اسکی ایک نہ سُنی۔ کوٹھی سے باہر آیا۔ اور کار پہ بیٹھکر آفس روانہ ہوگیا۔
دس منٹ بعد وہ آفس میں تھا۔ سب سے پہلے اس نے اخبارات کا مطالعہ شروع کیا۔ آج وہ گھر پر اخبارات نہ دیکھ سکا تھا۔
تمام اخبارات دس پندرہ دن سے گمشدگی ہی کی اطلاعات کو اپنا "ہیڈ" بنا رہے تھے۔ اور وہ سرخیاں کچھ اس قسم کی ہوتی تھیں۔
اونچے طبقے میں خوف و ہراس ــــ غائب ہونے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے ــ پولیس اب تک کچھ نہیں کر سکی۔ کیا وہ سو رہی ہے۔
آج کے اخبارات نے بھی اسی قسم کی سرخیاں جمائی تھیں اور محکمہ سراغ رسانی پر خوب کیچڑ اچھالی تھی۔
گزشتہ روز شہر کے چار امیر آدمی غائب ہوئے تھے۔ اور دوسرے

شہروں سے بھی گمشدگی کی اطلاعات ملی تھیں۔
خبر پڑھ کر فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک کر سگار سلگانے لگا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔
دفعتاً فون کا بزر چیخ اٹھا۔ اور فریدی نے چونک کر ریسور اٹھایا۔
"ہیلو۔۔۔!"
"کرنل فریدی۔۔۔؟"
"یس۔"
"ڈی۔ ایس۔ پی۔ اسپیکنگ۔ کل آپ سندری جنگل گئے تھے۔"
"جی ہاں۔۔۔ فرمائیے۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔
"کیا معلوم ہوا۔"
"معاف کیجئے گا۔ میں صرف کیس اختتام پر رپورٹ دیا کرتا ہوں۔"
"کیا مطلب۔۔۔۔؟ یعنی رونامہ نہیں دیتے۔"
"آپ ٹھیک سمجھے۔"
"لیکن میرا کام لینے کا طریقہ دوسرا ہے۔"
"آپ اپنا طریقہ بدلئے۔" فریدی نے کہکر ریسور رکھدیا۔
پھر آدھا منٹ نہیں گزرا تھا۔ کہ فون کا بزر پھر چیخ اٹھا۔ فریدی یہی سمجھا تھا۔ کہ ڈی ایس پی نے دوبارہ رنگ کیا ہے۔ وہ کچھ جھنجلا سا گیا پھر ریسور اٹھا کر سخت لہجے میں بولا۔
"میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ کہ رپورٹ نہیں دوں گا۔ نہیں دونگا۔ نہیں دوں گا۔"
"کیا کہہ رہے ہو۔" دوسری طرف سے متحیرانہ آواز آئی۔ اور فریدی

سنبھل گیا۔ یہ اس کے محکمے کے ڈی آئی جی کی آواز تھی۔
"اوہ معاف کیجئے گا جناب۔" فریدی بولا۔ یہ ڈی ایس پی صاحب نے ٹرانسفر کر رکھا ہے۔
"اوہ ۔۔۔" ڈی آئی جی نے ہنستے ہوئے کہا۔ عجیب بات ہے کہ پچھلے ڈی ایس پی بھی تم سے للہی بغض رکھتے تھے۔ اور یہ بھی۔"
"بدقسمتی جناب۔" فریدی نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔
"خیر خیر۔ میں انہیں سمجھا دوں گا۔" کیا تم نے آج کے اخبارات دیکھے؟"
"جی ہاں ۔۔ کیوں ۔۔؟"
"بھئی اب معاملات بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ محکمہ کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔ انسپکٹر آصف نے اب تک اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا اب یہ کیس تم ہی اپنے ہاتھ میں لے لو۔ سندری جنگل کا مردہ کیس کسی اور کے حوالے کر دیا جائے گا۔"
"جیسا آپ کا حکم جناب! لیکن سندری جنگل کا کیس بھی میرے ہی پاس رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔"
"جیسا تم مناسب سمجھو۔ میں نے تو یہ بات اسلئے کہی تھی کہ دونوں معاملات کو سنبھالنے میں تمہیں دشواری پیش آئے گی۔"
"یہ ایک ہی معاملہ ہے جناب!"
"کیا مطلب ۔۔۔؟" ڈی آئی جی نے چونک کر پوچھا۔
"یہ میرا اندازہ ہے جناب۔ جو غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"
"اگر تم نے یہ اندازہ قائم کر لیا ہے۔ تو حقیقت بھی یہی ہوگی۔ تمہارے اندازے عموماً غلط نہیں ثابت ہوتے۔" ڈی آئی جی نے کہا۔ اور پھر بولے

"مگر اندازہ بھی کسی وجہ سے لگایا جاتا ہے۔"

"یقیناً جناب!"

"میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ اگر ہرج نہ ہو تو بتا دو۔"

"ہرج! کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب... آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں بھئی تمہارا طریقہ کار ہی اتنا پیچیدہ ہوتا ہے۔ کچھ بتاتے ہی نہیں ہو۔ زبردستی پوچھتا ہوں تو الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر رکھ دیتے ہو۔"

فریدی مسکرا دیا۔

"کیوں ہے نا یہی بات۔" ڈی آئی جی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جناب! بعض کیس ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا راز میں رہنا ہی مناسب ہوتا ہے۔ اب اسی کیس کو لے لیجئے۔ اگر اخبارات میں یہ بات آ جائے کہ ان گمشدگیوں کے پس پردہ کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔ تو پورے ملک میں خوف وہراس پھیل جائے گا۔"

"اوہ.... ! تو یہ معاملہ اتنا اہم ہے۔"

"آپ سوچ بھی نہیں سکتے کتنا اہم ہے۔"

"تب تو یہ کیس سو فیصدی تمہارا ہے۔ میں کل ہی اس کا فائل تم تک پہونچوا دوں گا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔"

"تفصیل طلب بات ہے جناب!"

"میرے آفس میں آ جاؤ۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔"

"بہتر ہے.... حاضر ہوا۔" فریدی نے کہکر ریسیور رکھ دیا۔

ایک منٹ بعد وہ ڈی آئی جی کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ دونوں گھنٹے تک بند کمرے میں گفتگو کرتے رہے۔ اور جب فریدی وہاں سے اٹھا

تو ڈی آئی جی کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں تفکرات کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

آفس سے فریدی سیدھا گھر گیا۔ اور سب سے پہلے اس نے حمید کے کمرے کا رُخ کیا۔ دروازہ بدستور بند تھا۔ اور اندر سے کسی قسم کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ فریدی نے دروازہ کھولا۔ اور اندر داخل ہوتے ہی اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

کمرے کی عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اور حمید کمرے سے غائب تھا۔ فریدی اپنے کمرے میں چلا آیا۔ فون پر بندرگاہ کے علاقے کے ایک چھوٹے سے ہوٹل کے فون نمبر ڈائل کئے۔ اور ہوٹل کے مالک سے کسی منقار صاحب کے متعلق پوچھا۔

"وہ تو عرصہ ہوا۔ یہاں کی رہائش ترک کر چکے جناب" جواب ملا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ اب وہ کہاں رہتے ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"اچھا شکریہ!" فریدی نے کہکر ایک انگلی سے کریڈل کو دبایا۔ چند لمحے دبائے رہا۔ اور پھر کسی کو رنگ کرنے لگا۔ سلسلہ مل جانے پر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا تھا۔

"اٹ از کرنل فریدی.... بندرگاہ کے علاقے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل... کولمبو ہوٹل کے نام سے ہے۔ کچھ دن پہلے تک وہاں ایک کارٹونسٹ رہا کرتا تھا۔ نام منقار ہے۔ معلوم کرو۔ کہ آج کل وہ کہاں ہے۔ شام تک مجھے معلوم ہو جانا چاہئے۔"

"بہت بہتر جناب" فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

(۳)

انتظار..... ایک طویل انتظار..... دو گھنٹے کا انتظار.. جو قاسم کو دو صدیوں کا انتظار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا خیال یہی تھا۔ کہ حمید آٹھ بجے تک آجائے گا۔ لیکن دس بج رہے تھے۔ جب اسے حمید بھائی کے آنے کی اطلاع ملی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

بلاؤ۔ جلدی بلاؤ۔ وہ ہاتھ ہلا کر دہاڑا۔

اطلاع دینے والا نوکر بڑے بوکھلائے ہوئے انداز میں وہاں سے بھاگا تھا۔ ممکن ہے وہ یہی سمجھا ہو۔ کہ صاحب کا دماغ الٹ گیا ہے۔

ایک منٹ بعد ہی حمید کمرے میں داخل ہوا۔

"غاؤ..... غاؤ..... پیارے!" قاسم پر مسرت لہجہ میں چیخا۔

"ہائیں۔ حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ یہ غاؤ غاؤ کیا چیز ہوتی ہے۔"

"آؤ۔ آؤ۔ قاسم سر ہلا کر بولا۔" یہ سبان زالی۔ یعنی کہ زبان سالی بہت پھسل رہی ہے۔ آج..... مغر پیارے اتنی دیر کیوں کر دی؟"

"کام ہو گیا تھا ایک" حمید نے بات بنائی "مگر تم نے مجھے بلایا کیوں ہے"

"سائیکل کے لئے۔"

سائیکل کیلئے" حمید نے حیرت سے دہرایا

"ہاں تم مجھے سائیکل چلانا سکھا دو۔

"لیکن میں نے تو تمہیں موٹر سائیکل چلاتے دیکھا ہے"

"مگر سائیکل نہیں چلتی" قاسم نے مغموم لہجے میں کہا۔ پیڈل پر پیر رکھتا ہوں تو سالی مجھ پر گر پڑتی ہے"

"اوہ..... حمید مسکرایا۔

"سکھا دو پیارے" قاسم گھگھیایا۔

"لیکن آخر تمہیں یہ سوجھی کیوں؟"
"بس ایسے ہی۔ قاسم جلدی سے بولا۔
حمید نے اسے مشکوک نظروں سے گھور کر دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم اس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔
"اچھی بات ہے میں سکھا دوں گا۔ مگر سائیکل کہاں ہے۔"
"بازار سے خرید لیں گے۔
"اچھا تو چلو۔"
قاسم تیار ہی بیٹھا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔
"وہ نظر نہیں آرہی ہیں۔" حمید مسکراتا ہوا معنی خیز لہجہ میں بولا۔
"کون — ؟ بیگم!" "ہاں وہ اپنی اماں کے یہاں گئی ہے۔" قاسم منہ بنا کر بولا
وہ دونوں باہر آئے۔ پورٹیکو میں حمید کی کرسلر کھڑی تھی۔
"اے یہ گاڑی کس کی ہے۔" قاسم نے پوچھا۔
"میری ہی ہے۔ جہیز میں ملی تھی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ میری شادی ہوگئی ہے"
"ہوہوہو! قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ یار تمہاری بات پر یکین نہیں آتا۔"
"آجائے گا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ کل میں تمہیں مسز حمید سے ملا دوں گا۔
"آؤ بیٹھو۔" قاسم حمید کے برابر بیٹھ گیا۔ اور حمید نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔
بازار سے انہوں نے ایک سائیکل خریدی۔ اور اسے کار میں رکھ کر پھر روانہ ہو گئے۔
"اب کہاں چل رہے ہو۔" قاسم بولا۔
"پولو گراؤنڈ.... بڑا میدان ہے۔ وہاں آسانی سے سیکھ سکو گے۔"

"اے حمید بھائی۔ بعض اوکات تمپر بڑا پیار آتا ہے"۔

"اچھا۔ کیوں۔۔۔؟"

"اسے تم مجھے سائیکل چلانا سکھاؤ گے نا"

حمید مسکرا دیا۔ کچھ بولا نہیں۔ سوچ رہا تھا کہ وہ منظر بڑا قہقہہ انگیز ہوگا۔ جب قاسم سائیکل سے گر گر کر چوٹیں کھائے گا۔ اور اسکے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکلیں گی۔

پولو گراؤنڈ پہونچکر حمید نے گاڑی روکدی۔ اور وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ قاسم نے سائیکل نیچے اتاری۔ اور اسے اس طرح ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگا جیسے وہ سائیکل نہیں بکرا ہو اور قاسم اسے حلال کرنے سے پہلے گوشت کا اندازہ لگا رہا ہو۔ پھر وہ بولا۔

"حمید بھائی۔ کہیں اس سالی کا فریم پچک نہ جائے میرے بیٹھنے سے"۔

حمید ہنس پڑا۔ چند لمحے ہنستا رہا۔ پھر بولا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ یہ ہرکولیس کی سائیکل ہے۔ اخبارات میں اشتہارات آتے رہتے ہیں تم دیکھا نہیں۔ اسنیں ایک ہاتھی سائیکل چلاتا نظر آتا ہے"

"مگر۔۔۔ قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ وہ تو تصویر ہوتی ہے"

"یعنی کہ مصنوعی۔۔۔ کیوں؟"

"ہاں اور کیا۔"

"مگر سائیکل بھی تو مصنوعی ہوتی ہے"

"ہاں تو پھر ـــــــ"

"پھر یہ کہ جب سائیکل بھی مصنوعی اور ہاتھی بھی مصنوعی تو سائیکل کو لقینا طور پر ٹوٹ جانا چاہیئے۔

"ہاں یہ تو ہے" قاسم آہستہ سے بولا۔ اور حمید نے بڑی صفائی سے اپنا قہقہہ ضبط کیا۔ ہنس پڑنے میں یہ بھی احتمال تھا کہ قاسم غصہ میں آ کر اس پر جھپٹ پڑتا۔ اور اس وقت کی تفریح ہاتھ سے نکل جاتی۔

پتہ نہیں قاسم کو سچ مچ حمید کی بات کا یقین آ گیا تھا۔ یا کسی وجہ سے اسے اس نے حمید کی تردید کرنا مناسب نہ سمجھی تھی۔

بہر حال حمید اسے لے کر وسط میدان میں آیا۔ قاسم سائیکل کا ہینڈل تھامے ہوئے تھا۔ حمید نے اسکے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے۔ اور سوچنے لگا۔ کہ جب سائیکل پر چڑھنے سے پہلے اسکی یہ حالت ہے تو سائیکل پر چڑھنے کے بعد نہ جانے کیا ہو۔ اس نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا قاسم میں ہینڈل پکڑے لیتا ہوں۔ اور تم اوپر چڑھو"

"اچھا" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے دائیں ہاتھ سے ہینڈل پکڑا۔ اور بائیں ہاتھ گدی۔۔۔ اور پھر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔ "ہاں قاسم"

" یہ قاسم کیلئے اشارہ تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سائیکل کے پیڈل پہ پاؤں رکھا۔ حمید سائیکل کو سنبھالنے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا قاسم کا وزن سنبھالنا مذاق بات نہیں تھی۔ حمید کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور قاسم بہزار دقت سائیکل پر چڑھ سکا۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اب تک وہ اپنی سانس روکے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے" حمید بولا "اب پیڈل مارو"

"سمجھا" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ لیکن اس کے پیر غیر متحرک ہی رہے۔

"چلو" حمید نے اسے ٹہوکا دیا "ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ ذرا زور سے پیڈل

چلاؤ..... گڈ۔ بس سمجھ لو کہ سائیکل چلانا آ گئی..... تھوڑی دیر اس طرح چلاؤ پھر چڑھنا بھی سکھا دوں گا۔" حمید سائیکل کے ساتھ دوڑتا ہوا بولتا رہا۔

"ٹھیک ہے..... ہاں ذرا اور زور سے چلاؤ..... گڈ..... ویری گڈ..... اچھا اب میں چھوڑتا ہوں۔"

قاسم کے چہرے پر زلزلے کے آثار پہلے سے زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اچھا حمید بھائی..... چھوڑ دو۔ مگر دعا جرور کرتے رہنا۔"

"اچھا۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔ اور سائیکل چھوڑ دی۔ مگر سائیکل کے ساتھ ساتھ وہ اب بھی دوڑ رہا تھا۔

میدان کے چاروں طرف سڑکیں تھیں۔ قاسم چلاتا ہوا سڑک کے قریب پہنچ گیا۔ سامنے ہی ایک بجلی کا کھمبا تھا۔ اور سائیکل سیدھی اسی کی طرف جا رہی تھی۔

"قاسم سائیکل موڑو۔" حمید چیخا۔

مگر قاسم کے تو ہاتھ پیر ہی پھول گئے تھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور زبان منہ سے باہر نکل آئی تھی۔

ایک تو یہی بات کیا کم تھی کہ ایک "گنبد" سائیکل چلا رہا تھا۔ دوسرے قاسم کے چہرے کے مضحکہ خیز تاثرات..... حمید کو اپنے پیٹ میں قہقہوں کے غبارے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ سائیکل بدستور کھمبے کی طرف دوڑ رہی تھی اور اب قاسم کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں بھی نکلنے لگی تھیں۔ وہ بالکل نروس ہو گیا تھا۔ حمید نے اسے سنبھالنے کی کوشش نہیں کی ورنہ تفریح ہاتھ سے نکل جاتی۔

لوگ حیرت سے اس سائیکل سوار "گنبد" کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر سائیکل ایک زوردار آواز کے ساتھ کھمبے سے جا ٹکرائی۔ قاسم اچھل کر

دوسری طرف جاگرا تھا۔ وہ کسی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ راہگیر اسکی طرف جھپٹ پڑے۔ حمید اکڑوں بیٹھا قہقہے ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

قاسم کی دہاڑیں بتدریج کم ہوتی گئیں۔ اور پھر وہ بالکل ہی پُرسکون ہوگیا۔ کپڑے کئی جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ اور ماتھے پر ہلکا سا زخم آگیا تھا۔ اور کہنیاں و گھٹنے بُری طرح چھل گئے تھے۔

اچانک وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔ اور حمید کی طرف مکا لہرا کر چیخا۔

"ابے تم گدا اڑ ہو چکے۔"

"کیوں۔ میں نے کیا کیا۔" حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

"پھر اکیوں نہیں مجھے۔" قاسم دہاڑا۔

"میں سائیکل کے کافی پیچھے تھا۔

"ابے تم جھوٹے ہو۔ سالے جہان میں کیڑے پڑ جائیں گے۔" قاسم نے کہا۔

لوگ حیرت سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے۔ حمید نے سوچا کہ معاملہ برابر کر دینا چاہیئے۔ اگر قاسم یہیں ہی سے اکھڑ گیا تو مصیبت ہو جائے گی۔ اس نے لوگوں سے کہا۔

"آپ جائیے..... کیوں اپنا ٹائم خراب کر رہے ہیں۔"

گنتی کے چھ سات آدمی تھے ہی۔ ایک ایک کر کے کھسک لئے۔ حمید نے سائیکل پر نظر ڈالی۔ جس کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے تھے۔ سامنے کا پہیہ بالکل ہی مڑ گیا تھا۔ پھر حمید نے قاسم پر نظر ڈالی۔ جو شائد تکلیف ہی کے احساس سے بُرے بُرے منہ بنا رہا۔ حمید کو اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل معلوم ہونے لگی۔ اس نے قاسم کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"آؤ چلیں..... یہ سائیکل تو ختم ہو گئی.. دوسری لے آئیں۔"

"ابے جاؤ۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ تمہاری شرارت تھی"

"نہیں قاسم! یقین کرو۔ میں......"

"بس بس۔ صیصفائی۔ صفائی مت قرو۔" قاسم نے غصہ سے کہا۔
بدقت تمام حمید اسے ٹھنڈا کر سکا۔ اور پھر ٹوٹی ہوئی سائیکل کو کار میں لاد کر
وہ دونوں واپس روانہ ہو گئے۔
لیکن ملاقات کے اختتام تک قاسم نے یہ نہیں بتایا۔ کہ وہ سائیکل کیوں سیکھنا
چاہتا تھا۔ آخر حمید بھی چپ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اگلی ملاقات پر وہ
قاسم سے یہ بات ضرور اگلوا لے گا۔ اس کا یقین تو اسے تھا ہی کہ کوئی
نہ کوئی بات ہے ضرور..... سائیکل کا خیال قاسم کے ذہن میں بلاوجہ
نہیں آیا ہو گا۔

جنگل میں فائر

دو بج چکے تھے جب حمید گھر پہونچا۔ فریدی اپنے کمرے میں موجود تھا لیکن حمید اس کی طرف نہیں گیا وہ کچھ دیر سونا چاہتا تھا۔ اپنے کمرے میں آکر وہ بستر پر لیٹا۔ اور شرارت آمیز انداز میں مُسکراتا ہوا اس کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اس کے لئے راہ فرار ثابت ہوئی تھی۔

شائد حمید شام تک سوتا رہتا لیکن پانچ بجے ایک نوکر نے آکر اسے جگادیا۔ اور بتایا کہ فریدی شام کی چائے پر دالان میں اس کا منتظر ہے۔

"چلو آتا ہوں"۔ حمید نے نوکر سے کہا۔ اور باتھ روم میں جا گھسا۔ پندرہ منٹ بعد حمید دالان میں تھا۔ فریدی کے سامنے میز پر چائے وغیرہ کا سامان چنا ہوا تھا۔ قریب ہی رکھی ہوئی ایک تپائی پر حمید کو فون بھی نظر آیا۔ اس کا مطلب یہی تھا۔ کہ فریدی کسی کال کا منتظر ہے۔

چائے کے دوران میں خاموشی رہی۔ اور پھر فریدی سگار سلگا کر کچھ سوچنے لگا۔ اسکی آنکھیں خلا میں کسی نامعلوم نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

" تو آج میں نیلوفر سے ملنے ڈی فرانس جاؤں"

"آں۔" فریدی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے خالی الذہن کے سے انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"ہاں... لیکن اس سے پہلے تمہیں......" جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہلو! ہاں ہاں فریدی بول رہا ہوں.... کون ساہوٹل.... اچھا...." فریدی نے ڈسکنکٹ کرنے کے بعد حمید سے کہا۔ "ذرا ڈائرکٹری میں سندری جنگل کی پولیس چوکی کا فون نمبر تو دیکھو۔" حمید اٹھکر کرے کی طرف بڑھا۔ فریدی کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا جب حمید ڈائرکٹری میں نمبر دیکھ کر لوٹا فریدی ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا "میں آپکا منتظر ہوں۔" اور پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

حمید نے اسے پولیس چوکی کے نمبر بتائے اور وہ شائد انہیں نمبروں کو رنگ کرنے لگا۔ بار بار کرتا رہا لیکن شائد سلسلہ مل ہی نہیں رہا تھا۔ آخر فریدی نے ایکسچینج کو رنگ کیا۔ "ہلو میں کرنل فریدی بول رہا ہوں۔ تھری ایٹ ون سے کنکٹ نہیں ہو رہا ہے کیا بات ہے۔" "اوہ... خراب ہے۔ کب تک ٹھیک ہو جائیگا..... دو گھنٹے ہیں... اوہ.... اچھا۔ فریدی نے ایک طویل سانس لیکر ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ اور پھر حمید سے بولا۔ "تم پولیس چوکی چلے جاؤ اور ساجن کو اپنے ساتھ لے کر فوراً آؤ۔"

"کیوں.... خیریت تو ہے۔"

"حمید صاحب! یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔ کہ جنگل میں قتل ہونے والا نوجوان کون تھا۔ یہ معلوم کرنے کیلئے میں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ منقار کو تو تم جانتے ہو۔ وہی کارٹونسٹ تمہیں یاد ہوگا۔ ایک کیس کے سلسلے میں میں نے اس سے ایک تصویر بنوائی تھی۔ اس بار بھی کچھ ایسا ہی موقعہ ہے۔ ساجن کی یادداشت

کے سہارے اسکے سامنے ہی میں منقار سے اس نوجوان کی تصویر بنواؤں گا۔ منقار ایک اچھا مصوّر ہے۔ اگر سا جن نے کوئی تفصیل نظر انداز نہ کی تو منقار اس نوجوان کی تصویر بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

"اوہ۔۔۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "کیا یہ ممکن ہے؟"

"منقار کا دعویٰ تو یہی ہے۔ کہ وہ محض حلیئے کی مدد سے تصویر بنالیتا۔ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دعوے میں کہاں تک صداقت ہے۔ اگر وہ نا کام ہو تو پھر کچھ اور سوچنا پڑے گا۔ بہرحال میں نے اسے بلایا ہے۔ آدھے گھنٹے میں وہ اپنے ساز و سامان سمیت یہاں پہونچ جائے گا۔ اب تم جلدی سے جا کر ساجن کو لے آؤ۔"

"مگر نیلوفر۔"

"اس سے تم نے رات کے نو بجے ملنے کیلئے کہا ہے۔ اور نو بجنے میں ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ بس اب تم چل دو۔"

حمید اٹھ کھڑا ہوا۔

شام ہو چکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر آوارہ پھر رہے تھے۔ اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا فضا کو رومانٹک بنا رہی تھی۔ ایسے موسم میں کھلی چھت کی کار کا سفر بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے حمید نے اپنی کرسلر کی چھت ہٹائی۔ اور سندری جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

بیس منٹ بعد وہ پولیس چوکی میں تھا۔ ساجن اور اس کا ماتحت صادق بیٹھے ہوئے مرڈر کیس ہی کے سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے۔ حمید کی غیر متوقع آمد انکے لئے حیرت کا باعث ثابت ہوئی تھی۔

"خیریت کپتان صاحب!" ساجن بولا۔ "اس وقت کیسے آنا ہو گیا۔"

"کرنل صاحب نے آپ کو بلایا ہے۔ آپکا فون خراب تھا اسلئے مجھے آنا پڑا۔"

"اوہ..... اچھا۔ مگر کیوں ـــــ؟"

"کیس ہی کے سلسلے میں کچھ ضروری کام ہے۔"

"اچھا تو میں ذرا روزنامچے کی خانہ پری کردوں۔" ساجن نے کہتے ہوئے میز پر سے ایک رجسٹر اٹھا کر اپنے سامنے رکھا۔ اور اسے کھولتے ہوئے بولا۔ "کام کی نوعیت کیا ہے۔ کپتان صاحب۔"

حمید نے اسے مختصراً وہ سب کچھ بتایا۔ جو اسے فریدی سے معلوم ہوا تھا۔

"اوہ ....۔" ساجن نے حیرت سے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے۔"

"اگر ناممکن ثابت ہوا تو کرنل کوئی اور تدبیر کریں گے۔"

"شائد کرنل صاحب اس تصویر کو اخبار میں چھپوائیں گے۔" صادق بولا۔

"شائد۔"

"یہی بات ہوسکتی ہے۔" ساجن نے کہا۔ تصویر دیکھ کر ممکن ہے کوئی شخص مقتول کے متعلق پولیس کو کچھ بتاسکے۔"

"ہاں... آں.... حمید لاپروائی سے بولا۔ "ممکن ہے کرنل ایسا ہی کریں۔ مگر ان کے طریقۂ کار کے متعلق پہلے سے اندازہ لگالینا مشکل ہی ہوتا ہے۔"

"پھر اس موضوع پر چوکی میں مزید گفتگو نہیں ہوئی۔ ساجن نے صادق کو کچھ ہدایات دیں۔ اور حمید کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

کرسلر تارکول کی چکنی سڑک پر تیزی سے پھسلتی چلی جارہی تھی۔ اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اسلئے حمید نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن کرلیں۔

ساجن خاموشی سے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس وقت چونکا کہ جب گاڑی ٹپ ٹاپ نائٹ کلب کے پارکنگ شیڈ میں پہنچکر رُکی۔

"یہاں ۔۔۔؟" ساجن کے لہجہ میں تحیّر تھا۔

"جی ہاں۔ آئیے۔ چائے بھی پی لی جائے گی۔ اور میں۔۔۔ حمید اپنی بائیں آنکھ دباکر بولا۔" لیٹرین کی حاجت بھی محسوس کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔۔" ساجن ہنس پڑا۔

وہ دونوں کلب میں آئے۔ حمید نے بیرے سے چائے کیلئے کہا۔ اور ساجن کو وہیں بیٹھے رہنے کے لئے کہکر اس حصّے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جہاں لیٹرین اور باتھ روم وغیرہ تھے۔

واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

حمید نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا۔ مگر ساجن کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اس نے ایک بیرے کو بلاکر اس سے پوچھا۔" اس میز پر جو صاحب بیٹھے تھے وہ کہاں گئے۔۔۔۔؟"

بیرے نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر حمید نے دوسرے بیرے کو روکا۔۔۔۔ پھر تیسرے کو۔۔۔ اور پھر چوتھے کو۔۔۔۔ آخر پانچویں سے اسے معلوم ہو سکا۔ کہ اس کے جانے کے فوراً بعد ہی دو آدمی ساجن کے قریب آئے تھے۔ اور وہ ان کے ساتھ کہیں چلا گیا تھا۔ تفصیل معلوم کرنے پر حمید کو معلوم ہوا۔ کہ جب ان دونوں نے ساجن سے کچھ کہا تھا۔ تو اسکی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔

"اوہ۔۔۔۔ چوٹ ہوگئی۔" حمید ہاتھ ملتا ہوا بڑبڑایا۔ اور پھر بیرے سے مزید کچھ کہے بغیر منیجر کے کمرے کی طرف دوڑتا چلا گیا۔

حمید کی اچانک آمد اور اسکے چہرے پر نظر آنے والی پریشانی کے تاثرات نے منیجر کو بوکھلا دیا تھا۔ لیکن حمید اسکی طرف دھیان دیئے بغیر فون کی طرف جھپٹا۔ ریسیور اٹھایا۔ اور ڈائل پر انگلی رکھدی۔ وہ سندری جنگل کی

پولیس چوکی پر فون کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ڈائل پر انگلی رکھتے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ وہاں کے فون نمبر بھول چکا ہے۔ وہ ریسیور رکھکر تیزی سے منیجر کی طرف مڑا۔

"فون ڈائرکٹری..... جلدی....."

منیجر تیزی سے اس ریک کی طرف بڑھا۔ جس پر ڈائرکٹری رکھی ہوئی تھی، جلدی میں اس کا پیر پھسلا۔ اور وہ اوندھے منہ فرش پر جا گرا۔ مگر پھر فوراً ہی اٹھا۔ اور ریک پر رکھی ہوئی ڈائرکٹری گھسیٹ لی..... ڈائرکٹری متعدد رجسٹروں کے نیچے دبی ہوئی تھی، اس لیئے وہ رجسٹر بھی کیونٹ فرش پر آرہے لیکن منیجر کو ان کی پرواہ نہ ہوئی۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اسکی ذراسی بھی غفلت حمید کو غصہ دلا سکتی ہے، اور حمید کا غصہ..... منیجر اس سے بہت ڈرتا تھا۔

حمید نے منیجر سے ڈائرکٹری لیکر جلدی جلدی نمبر تلاش کیئے اور پھر انہیں فون پر ڈائل کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کہ خدا کرے چوکی کا فون ٹھیک ہو چکا ہو۔ اسکی دعا کارگر ہوئی۔ فون ٹھیک تھا۔ سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے صادق کی آواز آئی۔ اور حمید نے کہا۔

"مسٹر صادق! حمید بول رہا ہوں۔ کیپٹن حمید..... آپ لوگ خطرے میں ہیں سپاہیوں سے کہیئے کہ وہ ہوشیار رہیں۔ چوکی پر حملہ ہونے والا ہے۔"

"حملہ..... ؟ کیسا حملہ..... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ تفصیل کا وقت نہیں ہے۔" حمید نے تیزی سے کہا۔ آپ لوگ ہوشیار رہیں۔ میں آرہا ہوں۔" سلسلہ منقطع کرکے حمید نے فریدی کو فون کیا۔

"ہیلو..... فریدی صاحب۔ میں حمید بول رہا ہوں۔ فوراً پولیس چوکی پہنچیے خطرہ ہے۔"

"خطرہ ۔۔۔ کیسا خطرہ ؟ تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو۔"

"بس آپ فوراً پہونچیئے چوکی ۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھکر دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ منیجر اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد حمید کی کرسلر آندھی اور طوفان کی طرح سنلاری جنگل کی طرف جا رہی تھی۔ حمید کی نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ دماغ میں ہیجان برپا تھا۔ اسکی دانست میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

ویٹر نے جو بیان دیا تھا۔ اسکی روشنی میں حمید کو یقین ہو گیا تھا کہ ساجن کو مجرموں نے اڑایا ہے۔ مقصد صاف ظاہر تھا۔ وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ مقتول کا سراغ لگ سکے۔ اسی لئے انہوں نے مقتول کی لاش غائب کی تھی۔ مگر اب جب کہ انہیں کسی طرح اس بات کا علم ہوا۔ کہ فریدی کسی انوکھے طریقے سے ساجن کے ذریعے مقتول کا سراغ لگانا چاہتا ہے۔ تو انہوں نے ساجن کو غائب کر دیا۔ ایسی صورت میں حمید کے ذہن میں یہ بات آجانا قدرتی بات تھی۔ کہ ساجن کے ساتھی بھی خطرے میں ہونگے کیونکہ انہوں نے بھی مقتول نوجوان کو دیکھا تھا۔ اور مجرموں نے یہ ضرور سوچا ہوگا۔ کہ ساجن کے بعد فریدی یقینی طور پر ساجن کے ساتھیوں سے مدد لے گا۔

(۳)

چوکی سے تقریباً چار فرلانگ ادھر ہی حمید نے اپنے کوٹ کی داہنی جیب میں ہاتھ ڈالکر ریوالور نکالا۔ اور اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہتا تھا۔

دفعتاً پولیس چوکی کی طرف سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ اور ایکسیلیٹر

پر حمید کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔
فائر کی آواز سنتے ہی حمید کے چہرے پر اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی تھی
یکایک وہ چونکا۔ کرسلر اب چوکی سے زیادہ دور نہیں رہی تھی۔ اور اس
کے سامنے ایک کار کھڑی نظر آ رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کار اپنی
جگہ سے کھسکی۔ اور سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔
اب کرسلر کی رفتار کو مزید بڑھانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا
مگر حمید پر تو اس وقت گویا جنون ہی طاری تھا۔ اس نے ایکسلیٹر کو اور دبایا
اور رفتار بتانے والی سوئی اسی نوے کے درمیان لرزنے لگی۔
چند لمحے بعد ہی کرسلر سنسناتے ہوئے تیر کی طرح چوکی کے سامنے سے گزر گئی
اور حمید نے محسوس کیا۔ کہ چوکی میں بالکل سناٹا ہے۔ اگر نہ ہوتا تو ایک آدھ ایک
سپاہی چوکی کے باہر ضرور دکھائی دیتا۔
اگلی کار لمحہ بہ لمحہ کرسلر سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ
کار روکنے کے بعد وہ ان لوگوں سے کیسے نپٹے گا۔ یہ تو ظاہر ہی تھا۔ کہ مجرم
مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتے۔ خاموشی سے اپنے آپ کو حمید کے حوالے کرنے سے رہے۔
اب اگلی کار بالکل قریب آ چکی تھی۔ وہ ایک سیاہ رنگ کی اسٹیشن ویگن
تھی۔ یا ممکن ہے کوئی دوسرا رنگ رہا ہو۔ لیکن اندھیرے میں وہ حمید کو کالی ہی
معلوم ہوئی تھی۔
حمید نے کار کی رفتار کم کی۔ اور بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ وہیل سنبھال کر
داہنے ہاتھ سے ریوالور سنبھال لیا۔ اس نے اسٹیشن ویگن کے ٹائر پھاڑنے کا
فیصلہ کیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ایسا کر گزرتا۔ اچانک یکے بعد دیگرے دو
فائر ہوئے۔ اور دھماکوں کی آواز کے ساتھ ہی حمید کی کار کے دو ٹائر بیکار ہو گئے

اگر حمید کے اوسان بجا نہ ہوتے تو حادثہ ہو جانا لازمی بات تھی۔ اس نے اسٹیرنگ وہیل کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے پورے بریک لگا دیئے۔ بریکوں کی چرچراہٹ کسی ذبح ہونے ہوئے انسان کی چیخ کی طرح جنگل میں گونجی تھی۔ ...... کر سلر جھٹکے کے ساتھ ایک درخت کے نیچے رک گئی۔

اگلی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل چکی تھی۔

حمید نے تیزی سے ایک طرف کا دروازہ کھولا۔ اور پھرتی سے نیچے اتر کر کار کے نیچے رینگ گیا۔ فائر کی آواز سے اس نے اندازہ لگایا تھا۔ کہ گولی بندوق سے چلی تھی۔ ایسی صورت میں کھلے میں نکل آنا اسکے لئے ضرر رساں ہو جاتا۔ ہر طرف گہری تاریکی تھی۔ سارا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ دو تین منٹ گزر گئے۔ لیکن نہ تو کوئی فائر ہوا۔ اور نہ کوئی آدمی ہی نظر آیا۔ ایسی صورت میں حمید یہی سوچ سکتا تھا۔ کہ مجرم اسے اسٹیشن ویگن کے تعاقب سے باز رکھنا چاہتے تھے۔ اسے مارنا یا پکڑنا ان کا مقصد نہیں تھا۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ اسکی کار کا انجن اچانک اسٹارٹ ہوا تھا۔ اور پھر وہ کھلے آسمان کے نیچے رہ گیا۔ کار اس سے چند گز کے فاصلے پر جا کر رک گئی تھی۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار ــــ" اس درخت سے سرگوشی کی گئی۔ جس کے نیچے حمید کھڑا تھا۔ اور اس سرگوشی کے ساتھ ہی حمید مکمل طور پر روشنی میں نہا گیا۔ اس نے پلٹ کر آواز کی سمت فائر کر دینا چاہا۔ مگر اس سے پہلے ہی اس کا ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ درخت پر سے چلائی جانے والی گولی ٹھیک اس کے ریوالور کی نال پر لگی تھی۔

"ان خطرناک چکروں میں پڑنا بچوں کے بس کا روگ نہیں۔ سرگوشی پھر سنائی دی۔ حمید نے آواز کی سمت دیکھا۔ درخت کے ایک گدّے پر ایک سیاہ پوش بیٹھا ہوا۔ فوراً ہی کود کر وہ نیچے آگیا۔ اسکے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اور بائیں ہاتھ میں ٹارچ۔ جس کی روشنی کا دائرہ حمید کو اپنے وسط میں لئے ہوئے تھا۔

حمید نے اپنی کار کی طرف دیکھا۔ ایک اور سیاہ پوش اس میں سے اتر کر ان کے قریب آرہا تھا۔ حمید نے ان دونوں کو گھور کر کہا۔

"شائد تم دونوں کو موت نے دھکا دیا ہے۔"

"ممکن ہے۔" پہلا سیاہ پوش ہنسکر بولا۔ "اچھا اب تم پولیس چوکی کی طرف بڑھنا شروع کردو۔ یہاں پر ہمارے پاس کوئی سواری نہیں ہے۔ اسلئے اگر پولیس جیپ استعمال کر لی جائے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ تمہاری کار تو بیکار ہی ہوگئی ہے۔"

"اگر میں چلنے سے انکار کردوں تو؟"

"ہمیں اپنے کارتوس کے ضائع ہونے کا افسوس نہیں ہوگا۔" سیاہ پوش نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اور چوکی کی طرف مڑ گیا۔ اسکے علاوہ چارہ بھی نہیں تھا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی اب پہونچنے ہی والا ہوگا۔

"کیوں دوستو! چلتے چلتے حمید بولا۔" تم نے اس نوجوان کو کیوں قتل کیا تھا۔"

"اگر بتادیا جائے تو تم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے پھندے سے نکل جاؤ گے۔"

"ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"غلط سمجھتے ہو۔"

"یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔"

سیاہ پوش کچھ نہ بولا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ اور حمید پھر بول پڑا۔

"اچھا تو یہی بتا دو کہ مجھے کہاں لیجا رہے ہو۔"

"جہنم میں۔"

"صورت ہی سے جہنمی معلوم ہوتے ہو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"چپ رہو۔" سیاہ پوش غرایا۔ "ورنہ ممکن ہے ٹریگر پر انگلی دب ہی جائے۔"

"کیا ۔۔۔ ؟" یک بیک حمید پلٹ پڑا۔

دونوں سیاہ پوش ٹھٹک کر کئی قدم کے فاصلے پر رک گئے۔

"کیا تم سچ مچ مرنا ہی چاہتے ہو۔" سیاہ پوش غرایا۔

"ارے! اچانک دوسرا سیاہ پوش چونکا۔ "اس وقت یہ کمبخت کون آ رہا ہے۔"

"کون ہے ۔۔۔ ؟" پہلے سیاہ پوش نے حمید پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"پتہ نہیں ۔۔۔۔ موٹر سائیکل پر معلوم ہوتا ہے ۔۔۔۔۔ وہ اس طرف۔"

حمید نے ادھر دیکھا۔ جس طرف سیاہ پوش نے اشارہ کیا تھا۔ دور بشمبیر پور سے آنے والے راستے پر ایک موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ نظر آ رہی تھی۔ حمید نے اس کے انجن کی کرخت آواز

بھی سُنی۔

"ہمیں فوراً چھپ جانا چاہئے۔" پہلا سیاہ پوش بولا۔

بس یہی ایک ایسا موقعہ تھا۔ کہ حمید نے ان کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھا کر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کیا۔ اور یکایک اپنی پوری قوت سے گرجا۔

"خبردار ــــ"

وہ دونوں بوکھلا کر اچھل پڑے۔ دوسرے ہی لمحے حمید کی ایک بھرپور ٹھوکر ریوالور والے کے ہاتھ پر پڑی۔ اور اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں جا گرا تھا۔

موٹر سائیکل اب قریب آ چکی تھی۔

اچانک دوسرے سیاہ پوش نے حمید پر چھلانگ لگائی۔ مگر حمید غافل تو نہ تھا جو مار کھا جاتا۔ اس نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر سیاہ پوش کی کمر پر لات رسید کی۔ اور وہ قریب کے ایک درخت سے جا ٹکرایا ایک کریہہ چیخ بلند ہوئی۔ اور وہ کسی شرابی کی طرح لڑکھڑا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

موٹر سائیکل ان تینوں سے چند فٹ کے فاصلے پر آ کر رک گئی تھی۔

"خبردار ۔۔۔۔!" موٹر سائیکل سوار گرجا۔ میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ اور وہ بھی ذرا گستاخ قسم کا۔ ذرہ برابر بھی نافرمانی برداشت نہیں کرتا۔"

حمید چونک پڑا۔ اس نے انور کی آواز صاف پہچانی تھی۔

سیاہ پوش نے اپنے ہاتھ اوپر کر لئے۔

انور نے موٹر سائیکل کا ہنڈل گھما کر ہیڈ لائٹ کی روشنی ان دونوں پر ڈالی۔ اور چونک پڑا۔

"آہا۔۔۔۔ آنریری کیپٹن حمید۔۔! زہے نصیب کہ اس جنگل میں ملاقات ہوئی۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

قاسم اور؟

فریدی حمید کا فون ملتے ہی چل پڑا تھا۔ مگر اس بدقسمتی کو کیا کہتا۔ کہ اسے تقریباً ہر سگنل پر رکنا پڑا۔

آدھے گھنٹے میں وہ پولیس چوکی پہونچنے میں کامیاب ہوا۔ یہاں سناٹا طاری تھا جیسے ہمیشہ سے یہ چوکی خالی رہی ہو۔

فریدی نے اپنی گاڑی روکی اور جھپٹتا ہوا چوکی کے اندر پہونچا۔ کمرے کے فرش پر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صادق بجیس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ فریدی کو اسکی نبض ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ وہ صرف بیہوش ہے۔ فریدی نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اور پھر دوسرے کمرے میں آیا۔ یہاں پانی کی صراحی موجود تھی۔ فریدی ایک گلاس میں پانی انڈیل کر پھر صادق کے پاس آیا۔ اور گھٹنوں کے بل بیٹھکر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔

اچانک قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ اور فریدی پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

آہٹیں قریب ہوتی جارہی تھیں۔ اور پھر حمید اور انور کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک ایک آدمی کو اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔

وہ دروازے ہی میں ٹھٹک کر رُک گئے۔

فریدی پھر صادق کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

حمید اور انور نے بیہوش آدمیوں کو فرش پر ڈال دیا۔ پھر انور بولا۔

"میں وہاں سے اپنی موٹر سائیکل لے آؤں" اور کمرے سے نکل گیا۔

کچھ دیر کی کوششوں کے بعد صادق کو ہوش آگیا۔ وہ چند لمحے فرش پر پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں مسٹر صادق۔ حمید بولا۔ "میں نے فون پر آپ کو ہوشیار کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی مجرم اپنا کام کر گئے"۔

" وہ ..... دیکھئے میں عرض کرتا ہوں۔ صادق تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ دراصل مجھے آپ کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔"

"کیا مطلب ؟" حمید نے اپنے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

" وہ..... دیکھئے۔ مم..... میرا مطلب یہ تھا..... دراصل مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ کہ فون پر آپ ہی ہیں۔"

فریدی اب تک خاموش ہی رہا تھا۔ اس نے صادق کو گھورتے ہوئے کہا۔

" مسٹر صادق! آپ ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔ ہر فیصلہ آپ کو اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد کرنا چاہیئے۔"

" میں بے انتہا شرمندہ ہوں۔" صادق نے سر جھکا کر کہا۔

" یہاں قصہ کیا پیش آیا تھا؟" فریدی نے سوال کیا۔

" کپتان صاحب کے فون کرنے کے چند لمحے بعد ہی آٹھ دس آدمیوں نے چوکی میں گھس کر سپاہیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ لڑائی کے دوران میں

میرے سر پر ایک زبردست ضرب لگی جس نے مجھے بیہوش کر دیا۔ اس کے بعد اب ہوش آیا ہے۔"

"انسپکٹر ساجن کہاں ہیں؟"

"وہ تو آپ کے ساتھ گئے تھے۔" صادق نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں ـــ؟" فریدی نے حمید کی طرف دیکھا۔

جواب میں حمید کو تمام واقعات دہرانا پڑے۔ اس کا خیال تھا کہ فریدی اس پر برس پڑے گا۔ لیکن سب کچھ سن لینے کے بعد بھی فریدی پُر سکون ہی رہا۔ البتہ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس نے حمید سے کہا۔ کہ وہ فون پر پولیس ہیڈ کوارٹر کو اس حادثے کی اطلاع دیدے۔

حمید فون پر پولیس ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

فریدی نے سگار نکال کر سلگایا۔ اور اس کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا دونوں بیہوش سیاہ پوشوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ان کے متعلق حمید نے بتایا تھا کہ ایک کو تو خود اسی نے بیہوش کیا تھا۔ اور دوسرے کے سر پر انور نے اپنے ریوالور کا دستہ آزمایا تھا پھر انور نے اپنی موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی تھی۔ اور ایک سیاہ پوش کو اپنی پیٹھ پر لاد لیا تھا۔ دوسرے کو حمید نے سنبھالا۔ اور اس طرح وہ ان سیاہ پوشوں کو پولیس چوکی لا سکے تھے۔

فریدی نے ان سیاہ پوشوں کے نقاب الٹ دیئے۔ مگر کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔ دونوں ہی چہرے اسکے لئے اجنبی تھے۔

اتنی دیر میں حمید پولیس ہیڈ کوارٹر کو فون کر چکا تھا۔ اسی وقت

انور اپنی موٹر سائیکل لے کر واپس آ گیا۔

"تم کہاں سے آرہے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"ایک کام سے شہید پور گیا تھا۔"

"ہوں۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اچانک اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اور حمید سے بولا۔ ابھی نو بجنے میں دس منٹ باقی ہیں تم ڈی فرانس چلے جاؤ۔"

اگر فریدی نے کسی اور کام کیلئے کہا ہوتا تو حمید احتجاجاً نہ جانے کیا کیا بکواس کر ڈالتا۔ مگر اس وقت معاملہ تھا۔ ڈی فرانس کا۔ اور ڈی فرانس سے زیادہ نیلوفر کا۔ وہ مجرموں کی آلہ کار ہی سہی۔ مگر تھی ایک لڑکی ہی حمید نے بڑی سعادتمندی سے کہا۔

"بہت بہتر۔۔۔ مگر کیا آپکی گاڑی لے جاؤں۔"

"نہیں۔۔۔ انور کی موٹر سائیکل لے جاؤ۔"

(۲)

حمید دس منٹ لیٹ تھا۔ نیلوفر ڈی فرانس میں نہیں ملی۔ پتہ نہیں وہ آکر چلی گئی تھی۔ یا سرے سے آئی ہی نہیں تھی۔ بہر حال حمید کو وہاں سے ناکام و نامراد لوٹنا پڑا۔ اب اس کا ارادہ قاسم کی طرف جانے کا تھا۔ مگر راستے ہی میں اسے نیلوفر دکھائی دے گئی۔ ایک کار بڑی تیزی سے اسکے برابر سے نکلی تھی۔ اور اسکی اگلی نشست پر نیلوفر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر جو کوئی بھی رہا ہو۔ حمید اسے نہ دیکھ سکا تھا۔ لیکن کار کی نمبر پلیٹ پر نظر پڑتے ہی وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ نمبر اسکے جانے پہچانے تھے۔ اور وہ اس بات پر لاکھوں کی شرط لگا سکتا تھا کہ

وہ رولز رائس قاسم کی ہے۔ تو کیا نیلوفر کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر قاسم ہی تھا۔

حمید نے موٹر سائیکل اس کے تعاقب میں دوڑا دی۔

تعاقب کا اختتام آرلکچنو ہوٹل پر ہوا۔ نیلوفر کے ساتھ حقیقتاً قاسم تھا۔ حمید نے ان دونوں کو ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا۔ اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ قاسم اور نیلوفر کا ساتھ اسکے لئے حیرت انگیز بھی تھا۔ اور باعث تشویش بھی۔ باعث تشویش اسلئے کہ نیلوفر مجرموں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اور اس کا قاسم سے میل جول خالی از علت ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

حمید نے اپنی موٹر سائیکل پارکنگ شیڈ میں کھڑی کر دی۔ اور سوچنے لگا۔ کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ان دونوں کی گفتگو سنے۔ لیکن یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ وہ دونوں اسے پہچان سکیں۔ چونکہ دوسری بات ناممکن تھی۔ اسلئے پہلی بات کے پورے ہونے کا بھی امکان نہیں تھا۔

یہ گرمیوں کے دن تھے۔ اگر سردیاں ہوتیں تو حمید کے جسم پر اوورکوٹ ضرور ہوتا۔ اور ایسی صورت میں بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ اوورکوٹ کے کالر کھڑے کرنے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا لینے کے بعد وہ اپنے آپ کو آسانی کے ساتھ دوسروں کی نظروں سے چھپا سکتا تھا۔

آخر حمید کو یہی فیصلہ کرنا پڑا۔ کہ وہ باہر ہی ٹھہر کر ان دونوں کا انتظار کرے۔ وہ پائیں باغ کے ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو کر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ یہاں سے ہوٹل کا داخلی دروازہ تو نظر نہیں آ رہا تھا

لیکن پارکنگ شیڈ میں کھڑی ہوئی قاسم کی کار سامنے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

حمید تمباکو پھونکتا رہا۔ اور دو گھنٹے گزر گئے۔ اکتاہٹ اپنے عروج پر پہونچ چکی تھی۔ اور حمید سوچنے لگا تھا۔ کہ بس اب سرپٹ گھر کی طرف بھاگ لے۔ مگر اسی وقت قاسم نیلوفر کے ساتھ اپنی کار کے قریب نظر آیا۔

حمید سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چلتے ہوئے تمباکو کی راکھ جھاڑی اور پائپ کو صاف کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اتنی دیر میں قاسم اپنی کار اسٹارٹ کر چکا تھا۔ اور نیلوفر اب بھی اس کے برابر والی نشست پر بیٹھی تھی۔ حمید موٹر سائیکل کی طرف جھپٹا۔

تعاقب کی یہ دوسری قسط رنکین اسٹریٹ کی گیارہویں عمارت پر ختم ہوئی تھی۔ پھر تیسری قسط کا آغاز ہوا۔ مگر اس بار حمید صرف قاسم کا تعاقب کر رہا تھا۔ نیلوفر کار سے اتر کر اسٹریٹ کی گیارہویں عمارت میں چلی گئی تھی۔ حمید ایک بار پہلے بھی نیلوفر کے تعاقب میں اس عمارت تک آچکا تھا۔ اسلئے اس نے یہی سوچا۔ کہ نیلوفر کی مستقل رہائش گاہ یہی کوٹھی ہوگی۔

قاسم کا تعاقب جاری رہا۔

حمید نے سوچا تھا۔ کہ وہ اس سے اسکے گھر ہی پر ملاقات کرے گا۔ راستے میں قاسم کو روکنا کسی ناخوشگوار واقعے کا موجب بن سکتا تھا یہ بات ممکن تھی۔ کہ قاسم کچھ اس انداز میں حمید پر برس پڑتا۔

"ابے تم میرا تعاقب کرتے ہو۔ ٹھینگے پر گئی ایسی دوستی۔ کہ دوستوں

تی بھی جاسوسی ہو۔ آج سے ہماری تمہاری دوستی ختم۔
قاسم کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ بس ذہنی رد کی بات تھی۔ بھکی اور قاسم پر دیوانگی کا دورہ پڑا۔ پھر وہ یہ نہیں سوچا کرتا تھا۔ کہ مخاطب کون ہے۔ بس جو منہ میں آتا تھا بک دیتا تھا۔ اسی لئے حمید اسے پبلک پیلس پر چھیڑنے سے احتراز کرتا تھا۔
جب قاسم کی کار اسکی کوٹھی میں چلی گئی تو حمید نے موٹر سائیکل روک لی۔ پانچ منٹ تک کچھ سوچتا رہا۔ اور پھر اپنی موٹر سائیکل بھی پھاٹک میں لئے چلا گیا۔
دالان میں کئی نوکر کھڑے کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ایک نوکر حمید کو دیکھکر اس کی طرف بڑھا۔ قاسم کے سارے ہی نوکر نہ صرف یہ کہ حمید کو جانتے تھے۔ بلکہ یہ بات بھی انکے علم میں تھی۔ کہ حمید اور قاسم کے تعلقات کس قسم کے ہیں۔"
نوکر نے حمید سے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا۔
"صاحب اپنے کمرے میں ہیں۔ بیگم صاحب بھی وہیں ہیں۔ دونوں میں بڑے زور کی لڑائی ہو رہی ہے۔"
"اوہ ------ اچھا ----" حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اور پھر وہ قاسم کے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
کمرے کے اندر سے بڑی زور زور سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ حمید نے قاسم کی بیوی کو کہتے سنا۔
"میں کہتی ہوں۔ تمہیں بتانا پڑے گا۔ کہ کہاں گئے تھے۔ کل رات بھی دیر سے آئے تھے۔ اور آج بھی بارہ بجنے والے ہیں۔"

"قہہ تو رہا ہوں قام سے گیا تھا۔" قاسم کی آواز آئی۔
"کام کی نوعیت ــــ؟"
"ٹھینگے کی نوعیت؟" قاسم جھنجلا گیا۔ "تم قون ہوتی ہو میرے سینے پر مونگ کی دال پکانے والی۔"
"تم غلط بول رہے ہو۔" حمید اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔
"سینے پر مونگ دلنا محاورہ ہے۔"
"ٹھینگے پر ٹھینگا دلنا محاورہ ہے۔" قاسم پیچھے سے اکھڑ گیا۔
"ابے تم یہاں کیوں آئے ہو۔ میری جان جلانے کے لئے۔"
"مجھے تم دونوں کو لڑتے دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ اور پھر قاسم کی بیوی سے مخاطب ہو کر بولا۔
"کیوں آپا جان! کیا معاملہ ہے۔"
"ابے تم قون ہوتے ہو ہمارے بیچ میں بولنے والے۔"
"یہ سب کچھ ہوتے ہیں۔" قاسم کی بیوی تڑخ کر بولی۔
"آئے ہائے۔" قاسم نے عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر جلے کٹے لہجہ میں کہا "یہ سب کچھ ہیں۔ اور میں تمہارا کوئی نہیں ہوتا۔ میں۔ یعنی کہ تمہارا مزاجی خدا۔"
اس مزاجی خدا پر حمید کا دل چاہا کہ ایک زوردار قہقہہ لگائے۔ لیکن وہ ضبط کر گیا۔
"بیکار باتیں مت کرو۔" قاسم کی بیوی نے قاسم کو گھورتے ہوئے کہا۔ اور پھر بولی۔
"حمید بھائی۔ یہ آجکل راتوں کو بہت باہر رہنے لگے ہیں۔ پوچھتی ہوں تو

بتا نہیں رہے ہیں کہ کہاں جاتے ہیں۔"
حمید نے سوچا کہ قاسم کو رام کرنے کا موقعہ اچھا ہے۔ وہ جھٹ سے بولا
"ارے یہ بات تھی۔۔۔ لاحول ولا..... دراصل میں اور قاسم آجکل
فریدی صاحب سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔"
"تعلیم۔۔۔؟"
"ہاں میں ایم اے کی تیاری کر رہا ہوں۔"
"اور کیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ میں نے ان سے کہا تھا۔ کہ اتنی
رات کو باہر رہنے سے تم ناراض ہوگی۔ اسلئے حمید بھائی کہنے چلے
آئے۔ کیوں حمید بھائی۔"
"ہاں۔" حمید نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کہ قاسم شائد
آجکل روزانہ اپنے سر پر بادام کے تیل کی مالش کر رہا ہے۔ ورنہ اسکے
ذہن سے اتنے شاندار جھوٹ کا نکلنا معجزہ تھا معجزہ۔"
لیکن قاسم کی بیوی کی آنکھوں سے اب بھی شبہ جھانک رہا تھا۔
وہ چند لمحے حمید کی طرف دیکھتی رہی۔ اور پھر ایک طویل سانس لیکر بولی۔
"اچھا حمید بھائی۔ اگر آپ کہتے ہیں تو یقین کئے لیتی ہوں۔"
"اگر یقین نہ آئے تو فریدی صاحب کو فون کر کے پوچھ لیجئے گا۔" حمید نے
سنجیدگی سے کہا۔ اور پھر بولا۔
"ہاں آپا جان! آپ نے ابھی تک چائے کو بھی نہیں پوچھا۔"
"ابھی بھیجتی ہوں۔" قاسم کی بیوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہاں سے
چلی گئی۔
قاسم نے ایک طویل الشان سانس لی۔ اور حمید کو نزلہ تھوکتی ہوئی

"ابے حمید بھائی! تم بڑے اچھے ہو۔" قاسم پُر مسرت لہجے میں بولا۔
"بس تو پھر فٹافٹ بتا چلو کہ وہ کون تھی۔" حمید اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔
"قون ---؟" قاسم چونک کر بولا۔ اور حمید کو گھورنے لگا۔
"وہی جو رنیکن اسٹریٹ میں رہتی ہے۔"
"ہی ہی ہی ---- تو تم نے دیکھ لیا تھا۔"
"ہاں .... ادھر سے گزر رہا تھا۔ کہ اتفاقاً نظر پڑ گئی۔ لیکن بیٹیا! اگر اس وقت میں نہ آجاتا تو بیگم صاحبہ تمہاری جان کو آجاتیں۔"
"پتہ نہیں کب مرے گی یہ سالی۔" قاسم بڑبڑایا۔
"بس دو چار دن میں صاف ہو جائے گی۔" حمید چٹکی بجا کر بولا۔
"انشاءاللہ! قاسم نے بڑے خلوص دل سے کہا۔ اور پھر یک لخت چونک کر حمید کو گھورتے ہوئے بولا۔
"ابے تم قون ہوتے ہو میری بیوی کو کوسنے والے۔"
معاملہ بڑھ جاتا۔ اسلئے حمید نے جلدی سے بات بنا دی۔ اس نے کہا "میں نے تمہاری نہیں اپنی بیوی کیلئے کہا تھا یہ جملہ۔ ہاں تو مائی ڈیر قاسم! کون ہے وہ لڑکی ---؟"
"تم سے مطلب ---؟" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔
"کچھ بھی نہیں۔ میں نے تو ایسے ہی معلوم کیا تھا۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "مگر مجھے تو حیرت ہے کہ وہ تمہیں کیسے پسند آگئی۔ چال تو ایسی واہیات ہے جیسے ..... جیسے --- خیر چھوڑ دا اور آنکھیں ..... لاحول ولا قوۃ --- ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ماتھے پر بن

ٹنکے ہوئے ہوں۔"

"تو تمہیں وہ پسند نہیں آئی۔" قاسم جلدی سے بولا۔

"قطعی نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

قاسم نے پھر ایک لمبی چوڑی سانس لی۔ جس کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ اطمینان کی سانس تھی۔

"مگر حمید بھائی!" قاسم بولا۔ وہ جو مثل ہے نا کہ دل آجائے گدھی پر تو پری کیا چیز ہے۔"

حمید کا دل چاہا کہ اس بھونڈی ضرب المثل کہنے پر قاسم کے ایک ہاتھ جھاڑ دے۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ وہ خود تو قاسم کا آدھا ہاتھ بھی برداشت نہ کر سکے گا۔ لہذا پروگرام ملتوی۔

"لیکن وہ تمہیں ملی کہاں تھی۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔

"بس ایک دن سڑک پر ملی تھی۔ ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ہائے حمید بھائی۔ ایسے نرم و گداز ہاتھوں پر ایکہزار تو کیا دسہزار بھی ہوتے تو قربان کر دیتا۔"

حمید نے بڑی تیزی سے پلکیں جھپکائیں۔ اور پھر بولا۔

"قاسم! تمہاری بات میری سمجھ میں خاک بھی نہیں آئی۔"

"ابے اسکے کالج میں فنکشن تھا۔ چندہ لینے آئی تھی میری جیب میں بس ایکہزار تھے۔ وہ دیدیئے۔ بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔ ہم روز ملا کرینگے۔ بس پھر ہم ملنے لگے۔

"ہوں۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اور پھر بولا۔

"کس کالج میں پڑھتی ہے وہ۔"

"کیوں ---؟" قاسم اسے مشتبہ نظروں سے گھورنے لگا۔
"ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔"
قاسم کی گردن بڑے زور شور کے ساتھ نفی میں ہلنے لگی۔ اور پھر اس نے کہا۔
"نہیں تم کچھ گھپلا کرو گے۔"
"تمہاری مرضی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ وہ زیادہ زور دیکر قاسم کو شبے میں نہیں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔
اسی وقت نوکر چائے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔
"بیگم صاحب کہاں ہیں؟" حمید نے اس سے پوچھا۔
"وہ اپنے کمرے میں چلی گئی ہیں سونے کے لئے۔"
نوکر کے جانے کے بعد قاسم بولا۔ "اے حمید بھائی۔ یہ سالی بہت اکڑا کرتی ہے۔ کسی دن ہاتھ مار دیا تو پرا ٹھا ہو کر رہ جائے گی۔"
حمید سمجھ تو گیا تھا کہ قاسم کا اشارا اپنی بیوی کی طرف ہے۔ لیکن بنکر بولا۔
"کس سالی کی بات کر رہے ہو؟"
"اسی سالی کی جسے لوگ میری جوجہ کہتے ہیں۔" قاسم جلے کٹے انداز میں لچک کر بولا۔
"اوہ..... تو یہ آل راؤنڈ ہے۔" حمید سادگی سے بولا۔ "زوجہ بھی ہے۔ اور سالی بھی۔"
اس پر قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر ہنستا رہا۔ اور پھر بولا
"اے جاؤ... تم تو بالکل چغد ہو۔ سالی تو میں اسے غصہ میں کہتا ہوں۔"
"او....." حمید نے اس انداز میں کہا۔ جیسے بات اسکی سمجھ میں اب آئی ہو۔

پھر بولا۔ اور ہاں قاسم! تو تم اسکے کالج میں ہونے والے فنکشن میں گئے تھے۔"

"ابھی تو ہوا ہی نہیں ہے۔"

"جب ہوگا تو جاؤ گے۔"

"ہاں اور کیا۔۔۔ کیوں نہیں۔"

"مجھے بھی لے چلو گے۔"

قاسم کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"پوچھکر بتاؤں گا۔"

اس دوران میں حمید چائے بنا چکا تھا۔ اس نے ایک پیالی قاسم کی طرف کھسکائی۔ اور دوسری خود سنبھالتا ہوا بولا۔

"ہاں۔۔۔ آں ۔۔۔ پوچھ لینا۔ اس میں کیا ہرج ہے۔"

پھر چائے ختم ہونے تک خاموشی ہی رہی۔ قاسم کسی سوچ میں ڈوبا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ممکن ہے نیلوفر کے خیال میں گم ہو۔ اچانک حمید بولا۔

"اب کب ملاقات ہوگی۔"

"کس سے ۔۔۔ ؟" قاسم نے چونک کر پوچھا۔

"نیلوفر سے۔" حمید نے کہہ تو دیا لیکن فوراً ہی اسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ قاسم اسے گھورتا ہوا غرایا۔

"تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا۔"

"ابھی تم ہی نے تو بتایا تھا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ابے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ جبان۔۔۔

.... زبان سڑ جائیگی۔"

حمید نے سوچا کہ اب بھاگ ہی لے۔ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا قاسم اب میں چلتا ہوں۔"

"نہیں۔" قاسم نے جھپٹ کر اسکے کوٹ کا کالر پکڑ لیا۔ اور پھر بولا۔

"بتاؤ تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا۔"

"کالر چھوڑ دو۔" حمید سخت لہجے میں بولا۔

"نہیں چھوڑتا۔" قاسم نے سر جھٹک کر کہا۔

"بتاؤ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"اچھا۔؟" حمید نے آنکھیں نکالیں۔" بلاؤں تمہاری بیگم کو... کہدونگا کہ قاسم آجکل ایک لڑکی کے چکر میں راتوں کو باہر رہتا ہے۔"

دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ قاسم کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ نڈھال ہو کر کرسی پر گر پڑا۔ پھر کراہتا ہوا بولا۔

"ہائے اللہ! کب اٹھے گا میرا جنازہ۔"

"بہت جلد۔" حمید نے کہا۔ اور کمرے سے نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ موٹر سائیکل پر گھر کی طرف جا رہا تھا۔

تفتیش!

دوسری صبح ناشتہ کی میز ہی پر فریدی سے ملاقات ہوئی۔
پچھلی رات حمید جب گھر پہونچا تو وہ سو چکا تھا۔
ناشتہ کر چکنے کے بعد وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے۔ فریدی سگار سلگا کر کسی خیال میں کھو گیا۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔
"سنیئے۔"
فریدی چونکا۔ اور پھر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"آپ نے رپورٹ نہیں مانگی مجھ سے۔"
"کیسی رپورٹ ---؟"
"آپ نے رات مجھے نیلوفر سے ملنے بھیجا تھا نا۔"
"لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم نیلوفر سے نہیں مل سکے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"اوہ --- تو آپ میری نگرانی کروا رہے تھے۔"
"نہیں۔ میں صرف نیلوفر کی نگرانی کروا رہا ہوں۔ وہ کل رات قاسم کے ساتھ تھی۔"

"اچھا خیر۔ لیکن آپ کو یہ نہیں معلوم ہوگا۔ کہ وہ قاسم سے ۔
طرح ملی تھی ۔ ؟"
"کہہ چلو۔۔۔"
حمید نے تمام روداد بیان کی ۔
"یہ سب کچھ تو مجھے معلوم تھا" فریدی نے کہا۔
"آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا۔ کہ میں پہلے لڑکے کا باپ بنوں گا۔ یا کہ
لڑکی کا" حمید جل کر بولا۔
فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔
"شائد تمہیں یقین نہیں آیا۔ اچھا یہی بتا دو۔ کہ نیلوفر کس کالج
میں پڑھتی ہے"
"آپ ہی بتا دیجئے۔ حمید نے تاؤ میں آکر کہا ۔
"شانگریلا کالج" فریدی بدستور مسکرا رہا تھا۔
"اندھی ٹھونک ہی" حمید نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ لیکن اس نے
حقیقتاً ڈھٹائی کا اظہار کیا تھا۔ فریدی کی بات کا اسے یقین تھا۔ دفعتاً
وہ بولا "ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ۔ کل سے سوچ رہا ہوں"
"کیا ۔۔۔؟"
"یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ کل رات مجرموں کو پولیس چوکی کی طرف
واپسی کا علم ہوگیا تھا۔ اگر نہ ہوتا تو ان کے دو ساتھی جنگل میں کیوں
چھپے ہوتے۔ وہ اسلئے وہاں تھے۔ کہ مجھے اسٹیشن ویگن کا تعاقب
نہ کرنے دیں۔ اور مجھے گرفتار کرلیں۔ مگر سب سے بڑا اور غور طلب
سوال یہ ہے۔ کہ انہیں بات کا علم کیسے ہوا کہ میں چوکی کی طرف واپس

جاؤں گا۔"

"تم خود سوچو ــــ؟" فریدی نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"بہت معمولی سی بات ہے۔ ذہن پر ذرا سا زور دینے پر سمجھ میں آ جائے گی۔"

حمید اس سوال پر غور کرنے لگا۔ پانچ منٹ تک سوچتا رہا اور پھر چٹکی بجا کر بولا۔
"آ گئی سمجھ میں۔"

"کہہ چلو۔"

"دیکھئے جس وقت میں نے صادق کو فون کیا ہے کہ میں چوکی واپس آ رہا ہوں۔ اس وقت کمرے میں صرف منیجر تھا۔ لیکن اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس میں اتنی صلاحیت نہیں کہ کسی معمولی سے جرم میں بھی حصہ لے سکے۔ اب دوسرا نمبر آیا ٹیلیفون "پر بیٹر" کا.... اسے کیا پڑی تھی۔ کہ میری گفتگو سنتا۔ اور اگر اس نے سنی بھی تھی تو یہ بات عقل سے نہیں اترتی کہ وہ مجرموں کا ساتھی ہوگا۔ اب رہ گیا صادق؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب مجرم چوکی کے ہر فرد کو اپنے ساتھ لیگئے تھے۔ تو صادق کو کیوں چھوڑ گئے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ مجرموں کا ساتھی ہے۔"

"گڈ ــــ؟" فریدی کی آنکھیں چمک اٹھیں ــــ اور پھر اس نے کہا۔
"حمید! تم میں سراغ رسانی کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مگر تم ذہن سے کام نہ لے کر اپنے اوپر ظلم کرتے ہو۔ اپنے آپ کو سوچنے کی عادت ڈالو۔

"ابھی تو یہ حالت ہے۔ جس دن سوچنے کی عادت پڑ گئی۔ اس دن اپنا جنازہ ہی اٹھ جائے گا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

اچانک حمید بولا۔ "آپ نے اس کارڈ سے کچھ فائدہ اٹھایا۔ جو سنداری جنگل کے اس گڑھے سے ملا تھا۔"

"اس پر لگی ہوئی تصویر کی بہترین کاپیاں بنوا کر محکمہ کے آدمیوں میں تقسیم کی جا چکی ہیں۔ اور اس آدمی کو تلاش کیا جا رہا ہے۔"

"اس کارڈ پر ایک مہر بھی تھی۔ "بھوانی کا پجاری"۔۔۔ یہ کیا بلا ہے۔"

"ایک خوفناک تحریک سے وابستہ افراد اپنے آپ کو بھوانی کا پجاری کہتے ہیں۔"

"اور وہ تحریک کیا ہے۔۔۔؟"

"فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"اس کا جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔"

حمید خاموش ہو رہا۔ کچھ دیر سوچتا رہا۔ اور پھر بولا۔ "میں نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ غالباً اس تحریک کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ آیا ہوگا۔"

"تمہارا خیال درست ہے"

"لیکن آپ یہ خبر کب تک چھپائیں گے۔"

"جب تک اس تحریک کا قلع قمع نہ کر دوں۔"

"کیا یہ کیس جلد ہی نپٹ جائے گا۔"

"اسکی امید بہت کم ہے۔ کیونکہ اس تحریک کا جال شاید سارے ملک میں بچھا ہوا ہے۔ بہترے شہروں سے گمشدگی کی اطلاعات مل رہی ہیں۔"

"ہائیں — ؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"آپ گمشدگیوں کے کیس پر کام کر رہے ہیں۔ یا سندری جنگل کے مرڈر کیس پر۔"

"دونوں چیزیں اسی تحریک سے متعلق ہیں۔ ڈی آئی جی صاحب سے کہہ کر میں نے گمشدگیوں والا کیس بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ آج اس کا فائل مجھے مل جائے گا۔"

ان دونوں نقاب پوشوں نے کیا بیان دیا؟"

کن نقاب پوشوں نے — ؟ جنہیں تم نے اور انور نے جنگل میں گرفتار کیا تھا۔"

"ہاں —"

"انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ کمبخت بالکل گونگے بن کر رہ گئے ہیں۔"

"اور صادق کے سلسلہ میں آپ کیا قدم اٹھائیں گے؟"

"اس کی نگرانی شروع کروا دی ہے۔"

"اگر یہ صادق واقعی مجرموں کا ساتھی ہے۔ تو سندری جنگل کی پولیس چوکی میں اسکی موجودگی کیا معنے رکھتی ہے۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی اس کی۔"

"میں اس پر غور کر رہا ہوں۔ لیکن فی الحال کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

چند لمحے کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ فریدی کی نظریں خلا میں کسی نامعلوم نقطے پر جم گئی تھیں۔ اچانک

حمید نے فریدی سے پوچھا۔
"انور کل کس سلسلہ میں شہید پور گیا تھا"
"ایک پرائیویٹ کیس کے سلسلہ میں۔ ایک لڑکی ثمینہ نے اپنے باپ کی گمشدگی کے سلسلہ میں اس کی خدمات حاصل کی ہیں"
پھر حمید مزید کوئی سوال کرنا چاہتا تھا۔ کہ فریدی اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں آفس جا رہا ہوں۔ میرے فون کا انتظار کرنا"
فریدی کے چلے جانے کے بعد حمید کچھ دیر بور ہوتا رہا۔ اور پھر فون پر قاسم کے نمبر رنگ کرنے لگا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کہ قاسم کے سر پر سائیکل کا بھوت کیوں سوار ہوا تھا۔
سلسلہ ملنے میں دیر نہیں لگی۔ دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی۔
"غالبو"
"میں نیلوفر بول رہی ہوں" حمید نے اپنی آواز کو باریک بناتے ہوئے کہا۔
"او...... غا... کیوں..... کیا بات ہے..... یعنی کہ مجاز... مزاج بخیر؟"
"بس آپ کے تصور کے سہارے جی رہی ہوں"
"ارے باپ رے" قاسم غالباً اپنی توند پر ہاتھ پھیرتا ہوا بڑبڑایا ہوگا۔
پھر اس نے کہا۔
"جرا آہستہ سے بولئے۔ کوئی سُن نہ لے"
"میں اکیلی ہوں۔ آپ بے فکر رہیں" حمید نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ اور ہاں!
"میں نے سنا ہے آجکل آپ سائیکل چلانا سیکھ رہے ہیں"
"ارے وہ.... ہی ہی .... جی ہاں .... ہی ہی ... آپ کو کیسے پتہ چلا"

"بس چل گیا۔ ہاں تو بتائیے نا۔"

"ارے بس... جی ہاں... آپ نے کہا تھا نا۔ کہ سائیکل پر جاتی ہیں آپ.... میرا مطلب ہے کالج۔"

"اچھا تو پھر۔؟"

"مم... میں نے سوچا تھا۔ کہ روزانہ آپ کو.... یعنی کہ.... جی ہاں.... قالج چھوڑنے جایا قروں گا.... دونوں کے پاس سائیکل..... جی ہاں...."

"اوہ... تو یہ بات تھی۔" حمید نے کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"بالقل بالقل... مگر آپ کو قیسے پتہ چلا۔"

"اسلئے کہ میں تمہارا باپ ہوں۔" حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔ اس بار وہ اپنی اصلی ہی آواز میں بولا تھا۔

"ارے باپ رے.... ابے تم قون ہو سالے۔"

"تمہارا باپ.... خان بہادر عاصم۔" اس بار حمید نے بھاری بھرکم لہجے میں کہا تھا۔

ایک بار پھر قاسم کے منہ سے۔ "ارے باپ رے" نکلا اور پھر حمید نے ریسیور میں کچھ عجیب قسم کی آوازیں سنیں۔ قاسم بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ ممکن ہے ہاتھ پیر کانپنے بھی لگے ہوں۔ حمید کے پیٹ میں قہقہوں کا طوفان انگڑائیاں لینے لگا۔

"بچ... غوں... شا... بھھ.... بھوں... قا... ل...."

قاسم کے منہ سے بدستور بے تکے الفاظ نکل رہے تھے۔

"خاموش بدتمیز!" حمید اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹتا ہوا گرجا۔

اور یک لخت ایسا لگا جیسے دوسری طرف قاسم کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ حمید پھر بولا۔ تم اس لڑکی سے کیوں ملے تھے۔"
"مم ..... میں تھوڑی ملا تھا..... وہ خود ہی ملی تھی..... بس شرک پر ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔ کہ قاسم صاحب مجھے تم سے محوبت ..... ارے باپ رے۔ نہیں یعنی کہ....."
"بکو مت" حمید پھر گرجا۔ اب تمہاری سزا یہ ہے۔ کہ دو دن تک گھر سے نہ نکلو۔"
"اچھا—" قاسم کی آواز بھیک مانگ رہی تھی۔
حمید نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا۔ اور پھر جو اس نے لوٹ لوٹ کر ہنسنا شروع کیا تو پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ ہنسی کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔"

(۲)

گمشدہ افراد کا کیس فائل فریدی کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک تصویر دیکھ کر وہ کچھ چونک سا پڑا۔ اس تصویر کے نوجوان کے نقوش اس نوجوان کے حلیے سے ملتے جلتے تھے۔ جو سندری جنگل کی پولیس چوکی پر قتل ہوا تھا۔ اس کے ماتھے پر چوٹ کا نشان واضح طور پر موجود تھا۔ فریدی نے اس کے ساتھ کی تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔ اور اس سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ تصویر والے نوجوان کا نام اختر علی تھا عمر اٹھائیس سال تھی۔ اور وہ "سن شائن جیولرز" کے مالک خان محمد کا سکریٹری تھا۔ پندرہ ۱۵ دسمبر کی صبح ایک کام کے سلسلے میں اپنے مالک

کے ساتھ شہید پور گیا تھا۔ اور پھر واپس نہیں لوٹا۔"
یہ نامکمل رپورٹ پڑھ کر فریدی نے بُرا سامنہ بنایا۔ اور ورق الٹ دیا،
اس ورق پر ایک ادھیڑ عمر آدمی کی تصویر تھی۔ یہ "سن شائن جیولرز"
کا مالک خان محمد تھا۔ اس تصویر کے ساتھ بھی ایک نامکمل سی رپورٹ
تھی جسے پڑھ کر فریدی نے دل ہی دل میں انسپکٹر آصف کی ذہانت
کی داد دی۔

دفعتاً فریدی نے ریسیور اٹھا کر حمید کو فون کیا۔ اور اسے فوراً آفس
پہونچنے کی ہدایت کی۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میری کار کے ٹائر برسٹ ہو چکے ہیں۔"
اور اُسے خود آپ نے کارخانے پہونچوایا ہے۔"

"ٹیکسی استعمال کرو۔" فریدی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ
فائل میں سے ان لوگوں کے پتے نوٹ کر رہا تھا۔ جو پراسرار حالت میں
غائب ہوئے تھے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے سگار سلگایا ہی تھا
کہ حمید کمرے میں داخل ہوا۔

"گڈ۔ تم ٹھیک وقت پر آ گئے۔" فریدی نے کہا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔
تھوڑی دیر بعد لنکن پرنسز لین کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔ فریدی
اسے خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ حمید خاموشی سے اسکے برابر میں بیٹھا رہا۔
پرنسز لین کا شمار ان علاقوں میں ہوتا تھا۔ جہاں صرف متمول لوگوں
کی رہائش گاہیں تھیں۔ فریدی نے اپنی گاڑی اکیاون نمبر کی کوٹھی
کے پھاٹک میں موڑ دی۔ یہ سن شائن جیولرز کے مالک خان محمد

کی رہائش گاہ تھی۔
دالان میں ایک ملازم کھڑا ہوا تھا۔ فریدی نے اسے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "صاحب کو پہونچا دو"
"صاحب تو کئی دن سے نہیں ہیں جناب۔"
"پھر کون ہے؟"
"صرف چھوٹی بی بی ہیں۔"
"انہیں کو اطلاع کرو۔"
خادم سر ہلا کر چلا گیا۔
"چھوٹی بی بی .... ؟ حمید بڑبڑایا۔ کہیں موٹی بی بی نہ ثابت ہوں۔ ورنہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"
فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔
ایک منٹ بعد ہی ملازم نے واپس آکر انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔
" پھر چھوٹی بی بی بھی وہاں آئیں۔ اور انہیں دیکھکر حمید کی طبیعت خوش ہو گئی۔
وہ ایک اٹھارہ انیس سالہ لڑکی تھی۔ اور حمید کے معیار پر سو فیصدی پوری اترنے والی۔ البتہ قاسم اسے دیکھتے ہی یہ کہتا "ہائے اللہ! کیسی نجاکت سیغم بنی ہوئی ہیں۔ ارے مر بھی چکو کسی طرح!.... زمین پر احسان قبول کر رہی ہو۔ اتنا جرا سا بوجھ لاد کر" فرمائیے .... کیسے تکلیف فرمائی؟" لڑکی نے فریدی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"میں خان محمد صاحب کی لڑکی شمینہ ہوں۔"

"اوہ..... فریدی چونکا۔ دفعتاً اُسے یاد آگیا تھا کہ انور نے بھی کسی ثمینہ کا نام لیا تھا۔ تو یہ ہے وہ لڑکی جس نے اپنے باپ کی گمشدگی کے سلسلہ میں انور کی مدد لی ہے۔"

"فرمائیے۔" ثمینہ پھر بولی۔

"مس ثمینہ! کیا آپ بتا سکینگی کہ خان صاحب کن حالات میں اور کب گھر سے غائب ہوئے تھے....." فریدی نے اچانک سوال کیا۔ اور پھر بولا۔

"در اصل یہ کیس اب میرے پاس ہے۔"

"اوہ..... اچھا.....!" ثمینہ نے ناخن سے درمیان میں رکھی ہوئی تپائی کی سطح کھرچتے ہوئے کہا۔

وہ فریدی سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ پھر وہ بولی۔

"وہ پندرہ جون کی منحوس صبح تھی۔ جب وہ ایک کام سے شہید پور گئے تھے۔ اور پھر نہیں لوٹے۔ ان کے ساتھ ان کا سکریٹری اختر بھی تھا۔

"وہ شہید پور کس سلسلہ میں گئے تھے۔"

"نواب صاحب شہید پور سے ملنے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ نواب صاحب کو اپنی لڑکی کی شادی کے سلسلے میں کچھ زیورات خریدنا تھے۔"

"اوہ..... تو کیا خاں صاحب زیورات اپنے ساتھ ہی لے کر گئے تھے۔"

"جی ہاں....."

"آپ کو معلوم ہے۔ زیورات کی مالیت کیا تھی....؟"
"تین لاکھ کے لگ بھگ۔"
"خوب!" فریدی آہستہ سے بولا۔ اور پھر اس نے کہا۔
"خاں صاحب اپنی ہی کار میں گئے تھے۔...؟"
"جی ہاں!"
"وہ کار بھی غائب ہوگی۔"
"جی نہیں۔" ثمینہ کا جواب فریدی کے لئے غیر متوقع تھا۔ اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ثمینہ پھر بولی
"کار تو دوسرے دن صبح ہی کوٹھی کے قریب کھڑی مل گئی تھی۔
پھر فریدی نے فوراً ہی کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اپنا بجھا ہوا سگار سلگانے لگا تھا۔
حمید ثمینہ کے حسن سے اپنی آنکھیں سینکتا رہا۔ ثمینہ نے بھی دو ایک بار اس کی طرف دیکھا تھا۔ اور اسے اپنی ہی طرف متوجہ پاکر جلدی سے سر جھکا لیا تھا۔ گالوں پر شرم کی سرخی بھی دوڑ گئی تھی۔ اور حمید اس ادا پر قربان ہوتے ہوتے بال بال بچا تھا۔
دفعتاً فریدی بولا۔
"مس ثمینہ! آپ نے خاں صاحب کی گمشدگی کی رپورٹ کب درج کرائی تھی؟"
"دوسرے دن۔"
"کیوں درج کرائی تھی....؟" فریدی کا سوال حمید کیلئے تعجب خیز تھا۔
"کیوں درج کرائی تھی۔۔۔؟" ثمینہ نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔"

"ظاہر ہے میں اپنے والد کی گمشدگی کا راز معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"اسی جذبے کے تحت آپ نے ایسا کیا تھا۔۔؟"

"جی ہاں!" شمینہ کے لہجہ میں اب بھی حیرت تھی۔

"ٹھیک۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"لیکن اگر آپ پولیس ہی کے ذریعہ اپنے والد کا پتہ لگانا چاہتی تھیں تو پھر انور سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی۔"

شمینہ نے چونک کر فریدی کی طرف دیکھا۔ اور پھر سر جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"پہلے آپ میری بات کا جواب دیں۔"

شمینہ چند لمحے خاموش رہی۔ اور پھر اس نے کہا۔

"رپورٹ درج کرانا تو ضروری تھا۔ لیکن معاف کیجئے گا۔ کہ میں پولیس پر اعتماد نہیں کرتی۔"

"کیوں۔۔؟"

"اسلئے کہ وہاں رشوت کا راج ہوتا ہے۔" شمینہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ ممکن ہے میرے والد کو کسی سازش کے تحت غائب کیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں اگر پولیس سازش کرنے والوں کا پتہ لگا بھی لیتی تو وہ لوگ پولیس کے ہاتھوں میں سونے کی ہتھکڑیاں ڈال دیتے۔"

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ اور حمید نے تالی بجاتے ہوئے ہانک لگائی۔ "تھری چیرز فار مس شمینہ۔"

"میں اپنی تلخ کلامی کے لئے معافی چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں مس شمینہ! لیکن آپ اس سلسلہ میں پورے محکمے کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتیں۔ ہاں۔ یہ میں بھی کہوں گا۔ کہ اس محکمے میں چند کالی بھیڑیں گھس آئی ہیں۔ جنہوں نے سارے محکمے کو بدنام کرکے رکھدیا ہے۔ لیکن ان کا دماغ بھی خود بخود خراب نہیں ہوا۔ نہ آپ لوگوں نے انہیں رشوتیں دینا شروع کی ہوتیں۔ اور نہ یہ گندگی پروان چڑھتی۔ خیر یہ ایک الگ بحث ہے، جو کافی وقت لے لیگی۔ آپ مجھے یہ بتائیں۔ کہ آپ نے نواب صاحب شہید پور سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی تھی۔۔۔؟"

"جی ہاں۔" شمینہ نے کہا۔

ان سے صرف اتنا معلوم ہو سکا۔ کہ وہ گیارہ بجے وہاں سے چل پڑے تھے۔"

"کیا نواب صاحب نے سارے زیورات خرید لئے تھے۔۔۔؟"

"جی نہیں۔۔۔ صرف ساٹھ ہزار کے زیورات خریدے تھے۔"

"یہ بات غالباً انور نے معلوم کی ہوگی۔"

"جی ہاں۔"

"اور باقی زیورات ـــــ ؟"

"وہ ڈیڈی وہاں سے لے کر چلے تھے۔" شمینہ نے جواب دیا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اچانک اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا مس شمینہ! میں تکلیف دہی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں کرنل صاحب۔" شمینہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ مگر

کم از کم چائے تو پیتے جائیے۔"

اس سے پہلے کہ فریدی کوئی عذر پیش کرتا۔ حمید بول پڑا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ ہم چائے ضرور پئیں گے۔"

"میں ابھی نوکر سے کہہ کر آتی ہوں۔" ثمینہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"تم بہت گدھے ہوتے جارہے ہو۔" فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

" ابھی ہمیں کئی جگہ چلنا تھا۔"

"پرواہ مت کیجئے۔" فریدی صاحب ان احمریں ہاتھوں سے بنائی ہوئی چائے نہ پینا کفر ہے کفر۔"

فریدی بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

قاسم کا غصّہ

اسی طرح ملنے ملانے میں چھ بج گئے۔ ابتک فریدی گیارہ ایسے آدمیوں سے ملا تھا۔ جن کے اعزّہ پر اسرار حالات میں غائب ہوئے تھے۔ واپسی پر فریدی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن حمید کو تفریح کی سوجھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"ذرا گیراج کی طرف ..... لا ۔۔ لاحول! میرا مطلب ہے کارخانے کی طرف چلئے۔ شائد میری کار ٹھیک ہوچکی ہوگی۔"

فریدی نے گاڑی موڑ دی۔

حمید کا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ اسکی کرسلر کے ٹائر تبدیل ہوچکے تھے۔ حمید نے فریدی سے کہا۔

"آپ جائیے۔ میں اپنی گاڑی میں آجاؤں گا۔"

فریدی کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

حمید نے اپنی کرسلر سنبھالی۔ اور ایک طرف چل پڑا۔ فی الحال وہ گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ دن بھر کی کوفت جو دور کرنا تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ جایا کہاں جاوے۔ آخر کچھ سوچ کر اس نے اپنی

گاڑی ایک فون بوتھ کے سامنے روک دی۔ وہ ایک بار پھر نیلوفر کی حیثیت سے قاسم کو فون کرنا چاہتا تھا۔
دوانی مشین میں ڈال کر اس نے نمبر ڈائل کئے۔ اور ریسیور کان سے لگا کر کھڑا ہو گیا۔
"ہالو...." چند لمحے بعد دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی۔
"میں نیلوفر بول رہی ہوں۔" حمید نے باریک آواز میں کہا۔
"غوں.... غق.... غا.... پہلے تو ریسیور سے کچھ عجیب سی آوازیں نکلیں۔ اور پھر قاسم نے کہا۔
"نن.... نہیں ابا جان!.... اب میں اس سے کبھی نہیں ملوں گا۔"
"ہائیں ـــ" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔
"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ قاسم ڈیر۔"
"قاسم ڈیر.... ارے باپ رے.... نہیں نہیں.... ایسے تم جرور ابا جان ہو۔"
"نہیں ـ میں ابا جان نہیں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ صرف نیلوفر ہوں۔"
"اچھا قسم کھاؤ۔ کہ تم ابا جان نہیں ہو۔"
"میں قسم کھاتی ہوں۔ کہ میں ابا جان نہیں ہوں۔" حمید کے پیٹ میں لڈو پھوٹنے لگے۔
"تب ٹھیک ہے۔" قاسم نے اطمینان کی سانس لی۔
"اب یہ بتاؤ۔ کہ تم نے ابا جان ابا جان کی کیا رٹ لگا رکھی تھی۔"

ے وہ ـــــ ہی ہی ہی ـــ در اصل کچھ ہو گیا تھا۔"
یا ہو گیا تھا۔۔" حمید نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ لڑکا۔
لڑکی ـــ ؟"
ے نہیں ـــ ہی ہی ہی ـــ ہا ہا ہا" قاسم کچھ دیر بیڈ ھنگے
ز میں ہنستا رہا۔ اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
پنی کسمت میں اولاد کہاں ـــ؟"
ہ ـــ یہ کیا بات کہی آپ نے ـــ مجھ سے آپ کے پورے
درجن بچے ہوں گے۔"
یک درجن ـــ اغے باپ ـــ مر غیا ـــ"
ہیں آپ ابھی نہیں مرینگے ـــ ہاں تو میں نے آپ کو
ں یہ معلوم کرنے کے لئے کیا تھا۔ کہ آج میں نے آپ
کہاں اور کب ملنے کا وعدہ کیا تھا۔"
لقچنو ـــ لکچنو میں ـــ آٹھ بجے۔"
ـــ ! تو آپ آ رہے ہیں نا۔"
ں ـــ نہیں۔"
ں ـــ؟"
ں طرح ابا جان کو تمہارے بارے میں علم ہو غیا ہے۔ صبح
ں نے مجھے لونڈیوں کی طرح فون قیا تھا۔ قہنے لگے میں
سر بول رہی ہوں۔ بس میں دھوکا کھا گیا ـــ پھر ایکدم
ں پڑے۔ اور کہا کہیں دو دن تک گھر سے نہ نکلوں ورنہ
نہ ـــ ابے مس نیلوفر! یہ ہمارے ابا جان سالے بڑے

چار سو بیس ہیں۔ لونڈیوں کی آوازیں بھی نکال لیتے ہیں۔"

"کیا بکتا ہے ۔۔۔؟" اچانک حمید بھاری بھرکم آواز میں گرجا۔

"ہائیں ۔۔۔! تو تم ابا جان ہو۔"

"خاموش بدتمیز ۔۔۔ تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ گدھے ۔۔۔" حمید پھر گرجا۔

"ٹھہر تو جا ۔۔۔ میں ابھی گھر آ رہا ہوں ۔۔۔ آج تیری کھال ہی گرا دوں گا۔ مار مار ہنٹر دل کے۔"

اور پھر جو حمید نے ریسیور رکھ کر ایک زوردار قہقہہ لگایا ہے۔ تو سارا بوتھ گونج گیا۔

ابھی سات ہی بجے تھے۔ اسلئے حمید کو ادھر ادھر پھرنے میں وقت گزارنا پڑا۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ ہوئے۔ جب وہ آرلیکچنو میں پہونچا۔

نیلوفر ڈائننگ ہال میں موجود تھی۔ اسکی نظریں دروازے ہی کی طرف تھیں۔ حمید کو دیکھ کر پہلے تو اس کے چہرے پر حیرت کے سے آثار نظر آئے۔ اور پھر ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ اس نے اپنے سر کو جنبش بھی دی تھی ۔ حمید بے جھجک اسکی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ہلو ساجد صاحب ۔۔۔! معاف کیجئے گا۔ اس دن میں آپ سے ڈی فرانس میں نہ مل سکی تھی۔ راستے

ہیں ایک دوست مل گئے تھے۔ جنھوں نے۔۔۔۔"
"خیر خیر۔۔۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔
"لعنت بھیجئے گزری بات پر۔ یہی بہت ہے۔ کہ آج ہی آپ کے درشن ہو گئے۔"
نیلوفر پھر مسکرا پڑی۔
"آیئے ریکریئیشن ہال میں چلیں۔" حمید اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔
"ذرا کچھ دیر ٹھہریں۔ مجھے ایک صاحب کا انتظار ہے۔"
"اوہ۔۔۔! کون صاحب ہیں۔۔۔؟"
"ہیں ایک احمق۔۔۔۔" نیلوفر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہمارے کالج میں ایک فنکشن ہونے والا ہے۔ جس کے لئے انہوں نے چندہ دیا تھا۔ مزید چندے کی توقع ہے۔ اسلئے میں ان سے اکثر ملتی رہتی ہوں۔"
"وہ کس وقت آئیں گے۔"
"آٹھ بجے کے لئے کہا تھا۔"
"مگر اب تو سوا آٹھ بج رہے ہیں۔"
"اسی لئے میں سوچ رہی ہوں۔ کہ شائد وہ اب نہ آئیں۔ ورنہ عموماً تو وہ مجھ سے پندرہ منٹ پہلے ہی معینہ جگہ پر پہونچ جاتے ہیں۔"
"اوہ۔۔۔۔ تب تو پھر اٹھیئے۔"
"پانچ منٹ اور دیکھ لیتے ہیں۔"

پھر پانچ منٹ بھی گزر گئے۔ اور حمید نیلوفر کو لے کر ریکریشن ہال میں چلا آیا۔

رقص کے لئے موسیقی ابھی نہیں شروع ہوئی تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ دونوں ایک خالی میز پر بیٹھے آرکسٹرا جاگ اٹھا۔ وہ دونوں ہنس پڑے۔ اور پھر حمید اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر ہلکورے لیتا ہوا چوبی فرش پر آ گیا۔

"آپ بہت اچھا ناچتے ہیں۔" نیلوفر بولی۔

"آپ کسی سے کم ہیں" حمید نے کہا۔ اور پھر اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ آنکھیں کتنی حسین ہیں۔"

"اب آپ مجھے بنانے لگے۔ نیلوفر اکھلائی۔

"آپ کو تو اس خالق مطلق نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے میں آپ کو کیا بناؤں گا۔"

"بیکار باتیں ...... آپ یہ بتائیے۔ کہ میرے کالج میں ہونے والے فنکشن میں آئیں گے۔"

"آپ بلائیں اور میں نہ آؤں ...... یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے۔ کب ہے فنکشن۔"

"پرسوں رات نو بجے۔"

"میں ضرور آؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"کچھ دیر بعد رقص کا پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ اور وہ دونوں گیلری کی ایک خالی میز پر آ بیٹھے۔

"کل ملاقات ہو گی آپ سے ...؟" حمید نے سوال کیا۔

"ضرور..... لیکن میں آپ کو صرف سات سے آٹھ تک کا ٹائم دے سکوں گی۔"

"چلئے یہی غنیمت ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ پھر دوسرے راؤنڈ کی موسیقی شروع ہوئی۔

تیسرے راؤنڈ کے اختتام پر وہ ریکریشن ہال سے باہر آگئے نیلوفر اب جانا چاہتی تھی۔ لیکن حمید نے اسے چائے پینے کے لئے روک لیا۔ اور وہ ڈائننگ ہال میں آبیٹھے۔ چائے کے لئے کہکر حمید پھر نیلوفر سے مخاطب ہو گیا۔

"سچ کہتا ہوں آپ کی آنکھیں بڑی حسین ہیں۔ شراب کے دو مدھ بھرے پیالے۔"

"ٹھینگا بھرے پیالے۔" ایک جھنجلائی ہوئی سی آواز سنکر وہ دونوں چونک پڑے۔

قاسم قریب ہی کھڑا حمید کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا دفعتاً وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

"ابے تم گداڑ ہو..... پکے چار سو بیس۔"

"تمیز سے بات کرو مسٹر— میں تمہیں جانتا بھی نہیں"۔ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا—؟" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔ اور پھر اس نے "تمہاری تو ایسی تی تیسی۔" کہہ کر حمید کے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہی تھا۔ کہ نیلوفر نے اسے پکڑ لیا۔

"مسٹر قاسم! کیا بدتمیزی ہے۔ آپ میرے دوست کی

توہین کر رہے ہیں؟"

"دوست ....؟" قاسم کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ اور پھر وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔

"مم..... میں ..... ما پھی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں جناب!" حمید نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا..... لیکن آپ کو ہو کیا گیا تھا۔"

"تم سے مطلب!" قاسم غرآیا۔

"مسٹر قاسم ..... پلیز....." نیلوفر پھر بولی۔

"اوہ.... اچھا....." قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا "کچھ نہیں......... میں ٹھیک ہوں۔"

"میں کافی دیر تک آپ کا انتظار کرتی رہی ہوں.... آپ کہاں رہ گئے تھے؟"

"ایک جروری کام ہو غیا تھا۔"

"اچھا خیر.... ! دیکھئے پرسوں فنکشن ہونے والا ہے.... ضرور آیئے گا.... یہ لیجئے میں آپ کا دعوتی کارڈ لے کر آئی ہوں" نیلوفر نے اپنے پرس سے ایک کارڈ نکال کر قاسم کو دیا۔ اور پھر حمید سے بولی۔

"دیکھئے اس وقت میرے پاس ایک ہی کارڈ تھا۔ جو میں مسٹر قاسم کے لئے لائی تھی۔ آپ کا کارڈ میں کل آپ کے گھر پر پہونچا دوں گی" "مجھے پتہ بتا دیجئے۔"

"پتہ" حمید ہچکچا کر رہ گیا۔ وہ اسے اپنا پتہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔

آخر اسے سوجھ ہی گئی۔
اور اس نے بے دھڑک ہو کر اپنے ایک دوست کا پتہ بتادیا۔ خیریت یہ ہوئی۔ کہ قاسم نے اس کا بھانڈا نہیں پھوڑا۔ اور حمید نے اطمینان کی سانس لی۔
نیلوفر نے پتہ نوٹ کیا۔ اور اُٹھتی ہوئی بولی۔
"اچھا اب آپ حضرات مجھے اجازت دیں"
قاسم کے ارادے خطرناک نظر آرہے تھے۔ اسلئے حمید نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ نیلوفر کے ساتھ ہی وہ بھی کھسک لے۔
چنانچہ وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا
"چلئے میں بھی چل رہا ہوں"
"دیکھوں گا میں تمہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔ اور پھر اس نے بڑے عجیب وغریب انداز میں نیلوفر سے ہاتھ ملایا۔
حمید کو ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ بات یقینی تھی۔ کہ قاسم غصے میں اس کا ہاتھ اتنی زور سے دباتا۔ کہ ساری ہڈیاں ٹوٹ ٹاٹ کر برابر ہو جاتیں۔
باہر آکر نیلوفر نے حمید سے کہا۔
"کیا آپ مسٹر قاسم کو جانتے ہیں۔۔۔۔؟"
"نہیں تو۔"
"مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔"
"غلط محسوس ہوا تھا۔ آپ کہاں جائیں گی۔"

"ایک سہیلی کے گھر جانا ہے۔"
"کیا آپ کے پاس گاڑی ہے۔"
"نہیں میں ٹیکسی کر لوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔"
"چلئے میں آپ کو اپنی گاڑی میں چھوڑ آؤں۔"
"نہیں ساجد صاحب..... شکریہ!"

پھر حمید نے زیادہ اصرار نہیں۔ اور اپنی کار میں بیٹھکر اس کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اب وہ واپس گھر کی طرف جا رہا تھا۔

یہ بات اسکی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کہ قاسم آر لکھنؤ کیسے پہنچ گیا۔ فون پر وہ حمید کو اپنا باپ ہی سمجھا تھا۔ اور باپ کے حکم سے سرتابی کم از کم قاسم کے بس کا روگ نہیں تھی۔

بیوی والا ہونے کے باوجود وہ اپنے باپ سے اسی طرح ڈرتا تھا۔ جیسے چھوٹا سا بچہ۔

دفعتًا ایک کار تیزی سے حمید کے برابر سے نکلی۔ اور کچھ فاصلے پر جا کر ایک جھٹکے سے رک گئی۔ حمید کو بھی اپنی کار روکنی پڑی تھی تو اس نے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب جو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کار قاسم کی ہے پھر قاسم بھی نظر آیا۔ جو اپنی کار سے اتر کر دہاڑتا ہوا حمید کی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ارادے خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔

"بھاگو ــــ!" حمید کے ذہن میں گونجا ــ اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی کار تیزی سے بیک کی۔ ایک آٹو رکشا اس کی زد میں آتے آتے بچی تھی۔

" ابے ٹھہرو ــ!" قاسم دہاڑا۔

"بھرتا بنا کر رکھ دوں گا ــ سالے ابا جان بنتے ہو"

بہتیرے راہگیر چونک چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

اتنی دیر میں حمید اپنی گاڑی سڑک پر موڑ چکا تھا۔ گیئر بدلتے ہوئے۔ اس نے گاڑی کو پچاس میل کی اسپیڈ پر چھوڑ دیا۔ وہ عام مقامات پر قاسم سے کترایا ہی کرتا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو اب تک نہ جانے کتنی مرتبہ عزت "کرکری" ہو چکی ہوتی۔ قاسم بھرے مجمع میں بھی گریبان پر ہاتھ ڈالنے سے نہیں چوکتا تھا۔

حمید کے لئے یہ بات حیرت انگیز تھی۔ کہ قاسم کو اس بات کا علم ہو گیا تھا ــ کہ فون پر اس کے باپ کا رول ادا کرنے والی ہستی حمید ہی کی تھی۔ آخر اسے اس کا پتہ کیسے چلا۔ حمید سوچتا رہا۔ اور کار دوڑتی رہی ـ گھر پہنچ کر اس نے گاڑی گیرج میں بند کی۔ اور تمام نوکروں کو اکٹھا کر کے ان سے بولا۔

"اے .... خبردار! قاسم شائد ابھی یہاں آئے۔ میرے بارے میں اس سے کہہ دینا کہ ابھی واپس نہیں لوٹا سمجھے۔ اگر اس کے برخلاف ہوا تو ایک ایک کی کھال گرا دوں گا۔"

یہ بات دالان میں ہوئی تھی۔ دفعتاً پیچھے سے فریدی کی آواز آئی۔
"کیا قصّہ ہے ۔؟"
حمید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر اسے لے کر ڈرائنگ روم میں گھستا چلا گیا۔
"کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے ۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔
"ہاں ۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔
اگر نہ ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ بس اب آپ ہی معاملہ برابر کر سکتے ہیں۔ ورنہ قاسم میرا جینا دو بھر کردیگا۔ کسی طرح پتہ چل گیا ہے۔ کہ فون پر میں ہی تھا۔"
"کیا بک رہے ہو ۔" فریدی جھنجلا گیا۔ پوری بات بتاؤ۔"
"پوری بات ....." حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ اور پھر مختصراً فریدی کو تمام واقعہ بتایا۔
"ہوں ۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"تمہاری سزا تو یہی ہونا چاہئے۔ کہ تمہیں قاسم کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔"
"فریدی صاحب ..... خدا کے لئے۔" حمید گھگھیایا۔ وہ اب آتا ہی ہوگا ..... ارے باپ رے ..... آگیا۔"
حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ باہر دالان میں قاسم کی دہاڑ سنائی دے رہی تھی۔
"غولی ماردوں گا ..... کہاں ہے وہ ..... سالا بڑا قپتان بنا پھرتا ہے ۔"

"بس اب آپ ہی سنبھالئے۔ اس بگڑے ہاتھی کو" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں وہاں سے جو بھاگا ہے تو سیدھا اپنی خوابگاہ ہی میں جاکر رکا۔ اندر سے دروازہ بند کیا۔ اور بستر پر بیٹھکر ہانپنے لگا۔ وہ چھپ کر قاسم اور فریدی کی گفتگو بھی سنتا۔ مگر خدشہ یہ تھا کہ فریدی کہیں اسے سزا نہ دے بیٹھے... اگر وہ قاسم کو اس پر چڑھ دوڑنے کی اجازت دیدیتا تو بچاؤ مشکل ہوجاتا۔ یہاں کمرے میں وہ محفوظ تھا۔ قاسم کو دروازہ توڑنے کی ہمت ہرگز نہ ہوتی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد دروازے پر دستک سنائی دی۔

"کک..... کون ہے؟" حمید بولا۔

"دروازہ کھولو گدھے..... میں ہوں"

فریدی کی آواز سنکر حمید کی جان میں جان آئی۔ اور اس نے اٹھکر دروازہ کھول دیا۔

"چچ..... چلا گیا.....؟" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..... بہت بپھرا ہوا تھا۔ چیر پھاڑ کر رکھ دیتا تمہیں۔ بڑی مشکل سے ٹھنڈا ہوا۔ میں تمہیں سزا تو ضرور دیتا۔ لیکن مذاق مذاق میں تم نیلوفر سے قریب ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اس لئے معاف کئے دیتا ہوں"

"لیکن اسے پتہ کیسے چلا..... اس بات کا" فریدی کمرے میں داخل ہوکر ایک کرسی پر بیٹھا۔ اور سگار

سلگا کر بولا۔

"تمہارے فون کرنے کے بعد اتفاق سے خان بہادر عاصم وہاں پہونچ گئے تھے۔ ان کی باتوں سے قاسم نے اندازہ لگایا۔ کہ وہ فون انہوں نے نہیں کیا تھا۔ بہرحال اس کے بعد وہ آرلکچینو پہنچا اور تمہیں نیلوفر کے ساتھ دیکھ کر اس کے ذہن میں یہ بات جم گئی کہ فون پر تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے تمہارا تعاقب کر کے تمہیں ایک سڑک پر روکا تھا۔ اور وہاں سے تمہارے بے تحاشہ بھاگنے پر اسکے رہے سہے شکوک بھی یقین میں بدل گئے تھے۔ بہرحال میں نے اسے اچھی طرح یقین دلادیا ہے وہ تمہاری آواز نہیں تھی۔"

"ہوں۔" حمید نے اطمینان کی سانس لی۔

فریدی سگار کے کش لیتا ہوا کچھ سوچنے لگا تھا۔ اچانک اس نے کہا۔

"تو تمہیں نیلوفر نے اپنے کالج کے فنکشن میں مدعو کیا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن کارڈ وہ کل میرے ایک دوست کے گھر پہونچادے گی۔ آپ ابتک کس اسٹیج پر پہونچے ہیں؟"

"میں بدستور اندھیرے میں ہوں۔ نیلوفر کی نگرانی سے اب تک کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسے کسی بھی دوسرے آدمی سے ملتے نہیں دیکھا گیا۔ آج سے میں اس کا فون بھی ٹیپ کراؤں گا۔ وہ اپنے گھر میں بھی اکیلی ہی رہتی ہے۔ صرف ایک ملازمہ کے ساتھ۔"

اس کے علاوہ صادق کی نگرانی سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ان دونوں سیاہ پوشوں نے بھی اپنی زبان نہیں کھولی۔ جنہیں سندری جنگل سے گرفتار کیا گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کیا کروں۔ اعلیٰ افسران نے الگ ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور اخبارات الگ کیچڑ اچھال رہے ہیں۔"

"اس آدمی کا بھی پتہ نہیں چلا۔ جس کا کارڈ جنگل سے ملا تھا۔"

"نہیں ۔۔"

"آج جو آپ دن بھر تفتیش کرتے پھرے ہیں۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا ۔۔؟"

"کوئی خاص نہیں۔ تقریباً سب ہی لوگ مختلف حالات میں غائب ہوئے ہیں۔ لیکن تین آدمی ایسے بھی تھے۔ جو یکساں حالات میں غائب ہوئے۔"

"یعنی ۔۔؟" حمید نے استفسار کیا۔

"خان محمد اور ان کا سکریٹری ۔۔۔ اور تیسرا آدمی ملکی فرنیچر مارٹ کا مالک زبیر ۔۔۔ وہ نواب صاحب شہید پور کے پاس چالیس ہزار کا فرنیچر لے کر گیا تھا۔ پھر اس کی واپسی نہیں ہوئی۔"

"اوہ ۔۔۔؟" حمید چونک پڑا۔

"ٹھہرو ۔۔۔؟" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اتنی جلدی نتائج پر مت کودو۔ کل میں نواب صاحب سے ملنے بھی جاؤں گا۔"

حمید خاموش رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ اور پھر فون کا ریسیور اٹھا کر اپنے اس دوست کے فون نمبر ڈائل کرنے لگا جس کا

پتہ اس نے نیلوفر کو بتایا تھا۔ سلسلہ فوراً مل گیا۔
ہیلو۔ جاوید۔! دیکھو کل کسی وقت تمہارے گھر پر ایک لڑکی آئے گی
اس کا نام نیلوفر ہے۔ اگر وہ تمہیں کوئی کارڈ دے تو لے کر رکھ لینا
میرے بارے میں اس سے کہہ دینا۔ کہیں ایک ضروری کام سے
گیا ہوں۔۔۔۔ سمجھے۔!"

"یار کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔"

"نہیں بھئی! بات صرف اتنی ہے کہ میں نے کسی وجہ سے اسے
اپنا پتہ نہیں دیا ہے۔۔۔۔ اب یہ مت پوچھنا۔ کہ کیوں؟
کسی وقت تفصیل سے آ کر بتاؤں گا۔"

ہولناک منظر

دوسرے دن فریدی صبح ہی کہیں چلا گیا۔ حمید کو تاکید تھی کہ وہ گھر سے قدم نہ نکالے۔ کیونکہ فریدی کو کسی وقت بھی اسکی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس پر حمید نے کافی ہلڑ مچایا تھا — لیکن بے سود۔

فریدی چلا گیا۔ اور حمید بور ہوتا رہا۔ ستم یہ تھا کہ وقت گزاری کے لئے وہ مکھیاں بھی نہیں مار سکتا تھا۔ کیونکہ مکھی مار دوا کی شیشی خالی پڑی تھی۔

گیارہ بج رہے تھے۔ جب فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ حمید نے برا سا منہ بنا کر ریسیور اٹھایا۔

"ہلو... کیپٹن حمید اسپیکنگ"

"بس جاوید بول رہا ہوں۔ مائی ڈیر۔ وہ تمہاری پھلجھڑی آئی تھی"

"اچھا پھر — ؟" حمید جلدی سے بولا

"پھر یہ کہ وہ تمہارے لئے ایک کارڈ چھوڑ گئی ہے۔ میں نے

اس سے کہدیا تھا۔ کہ تم کسی کام سے گئے ہوئے ہو۔"

"گڈ! اچھا میں کسی وقت آ کر تم سے وہ کارڈ لے لوں گا۔ اور سناؤ کیا

... بار گیا ... جاوید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
... جب سے شادی ہوئی ہے۔ زندگی کی ساری دلچسپیاں ختم ہو گئی ہیں"

"میں پہلے ہی کہتا تھا۔ کہ یہ حماقت نہ کرو۔ مداری بن کر رہ جاؤ، شادی کرنا اور گلے میں ڈھول لٹکانا ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔"

ان دونوں میں کچھ دیر اسی قسم کی نجی گفتگو ہوتی رہی اور پھر حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

چار بج رہے تھے۔ جب فریدی واپس آیا۔ پیشانی پر پائی جانے والی ہلکی لکریں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔ آتے ہی وہ سیدھا باتھ روم میں جا گھسا۔

بیس منٹ بعد وہ اور حمید دالان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"میرا کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔۔۔؟" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔" حمید نے کہا۔

"آپ دن بھر کہاں رہے؟"

"نواب صاحب شہید پور کے پاس گیا تھا۔ اور اس کے بعد

ان لوگوں سے ملتا رہا جن سے کل نہیں مل سکا تھا۔ دو ایسے آدمیوں کا پتہ ادھر چلا ہے۔ جو نواب صاحب سے ملنے گئے تھے۔ اور پھر غائب ہو گئے" فریدی یہ کہکر جیب سے سگار کیس نکالنے لگا

"اوہ ۔۔۔!" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

پھر اس نے پوچھا

"نواب صاحب سے کیا گفتگو ہوئی ۔۔۔؟"

"کچھ خاص نہیں۔ ادھر ادھر کے دو چار سوال کرکے واپس آ گیا تھا۔"

"پھر جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"میرا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ میں ایک نظر نواب صاحب کو دیکھ لوں۔"

"کیوں ۔۔۔؟"

لیکن فریدی نے اس "کیوں" کا جواب دینے کے بجائے ایک نوکر کو آواز دی۔ اور اس سے کہا۔ کہ وہ ٹیلیفون اٹھا لائے۔

دو منٹ بعد ہی ٹیلیفون فریدی کے سامنے تھا۔ اس نے کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ چند لمحے بعد وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔

"ہلو! میں کرنل فریدی بول رہا ہوں۔ جن آدمیوں کو سندری جنگل سے گرفتار کیا گیا تھا۔ انہوں نے کچھ بتایا ۔۔۔؟ اچھا تو پھر چار سپاہیوں کی حراست میں انہیں میری کوٹھی پہونچا دیا جائے ۔۔۔۔ ۔۔۔ کیا ۔۔۔؟ ۔۔۔۔ ہاں ہاں آپ اجازت لے لیں۔" فریدی نے برا سا منہ بنا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کسے فون کیا ہے ۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔

"کوتوالی انچارج کو۔ آج کل جگدیش بیمار ہے۔ اسکی جگہ دوسرا آدمی آیا ہوا ہے۔ کہہ رہا تھا۔ کہ بغیر ڈی آئی جی صاحب کی اجازت کے وہ ان دونوں کو نہیں بھیج سکتا۔"

"آپ نے انہیں یہاں کیوں بلوایا ہے؟"

"زبان کھلوانے کے لئے۔" فریدی نے کہا۔ اور سگار سلگانے لگا۔

"جب پولیس کا تشدّد ان کی زبان نہ کھلوا سکا تو آپ کیا کرینگے؟"

"کون ۔۔؟" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"ان کا باپ ۔۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

اس پر فریدی کچھ نہیں بولا۔ سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔

چند منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہلو۔۔۔ کرنل فریدی اسپیکنگ ۔۔۔۔ کیا ۔۔۔؟ ۔۔۔۔ اوہ اچھا۔ ۔۔۔۔" فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"ان دونوں کو کوتوالی سے روانہ کیا جا چکا ہے۔"

"لیکن یہ تو خلاف قانون چیز ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہاں کا قانون میں خود ہوں۔"

حمید برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

(۲)

آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اور پھر فریدی اچانک بڑبڑایا۔

"وہ لوگ اب تک نہیں آئے۔"
"راستے میں بھی کچھ وقت لگتا ہے۔" حمید نے کہا۔
"لیکن دس منٹ سے زیادہ نہیں۔ ظاہر ہے وہ لوگ وہاں سے پولیس جیپ میں چلے ہوں گے۔"
حمید خاموش رہا۔
فریدی نے جلدی جلدی سگار کے تین چار گہرے کش لئے اور پھر اسے ایش ٹرے میں رکھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ اب وہ ایک بار پھر کوتوالی فون کر رہا تھا۔
چند لمحے بعد دوسری طرف سے کوتوالی کے نئے انچارج نے ریسیور اٹھایا۔
"میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیا آپ نے ان قیدیوں کو اب تک نہیں بھیجا۔"
"آدھے گھنٹے پہلے میں نے آپ کو مطلع کیا تھا۔ کہ وہ یہاں سے روانہ ہو چکے ہیں۔"
"لیکن وہ اب تک یہاں نہیں پہنچے۔" فریدی نے تیزی سے کہا۔
"حیرت ہے۔ پھر آخر وہ کہاں گئے۔" انچارج بڑبڑایا۔
"آپ انہیں تلاش کروائیں۔ وہ دونوں قیدی معمولی چور اچکے نہیں ہیں۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر کے دالان میں ٹہلنے لگا۔ سگار اس نے پھر

ایش ٹرے سے اٹھا لیا تھا۔ اور اس کے کش پر کش لے رہا تھا۔
"آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" حمید بولا۔
"ممکن ہے کسی وجہ سے انہیں راستے میں دیر ہو گئی ہو۔"
"نہیں حمید تم اس کیس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔"
فریدی نے تشویشناک لہجے میں کہا۔
"میرا خیال تو یہ ہے کہ اب تک وہ دونوں قیدی اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچ چکے ہوں گے۔"
"اور ان کے ساتھ جو چار سپاہی تھے۔
"خدا معلوم ان کا کیا حشر ہوا ہو۔" فریدی بولا۔
حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی کے چہرے پر فکر و تشویش کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔ اور وہ بڑی بے چینی سے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔
دفعتاً اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال ابھرا۔ اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب اسکے چہرے پر سکون ہی سکون نظر آرہا تھا۔ حمید نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے متحیرانہ انداز میں اپنی پلکیں جھپکائیں۔
"کیوں ــــ؟" فریدی ہنس پڑا۔ یہ دیدے کیوں نکلے پڑ رہے ہیں۔"
"میں آج تک نہیں سمجھ سکا۔ کہ آپ کس قسم کے آدمی ہیں۔"
حمید بڑبڑایا۔
"ابھی چند لمحے پہلے آپ اتنے پریشان نظر آرہے تھے۔ کہ مجھے بھی تشویش ہو گئی تھی۔ اور اب آپ اتنے پُر سکون

نظر آرہے ہیں۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ سچ کہتا ہوں اس وقت آپ کا چہرہ مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے۔ جیسے بادل چھٹ جانے کے بعد آسمان کچھ اور صاف ستھرا نظر آنے لگتا ہے۔
"چلو فرصت ہوئی۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔
"اب جناب نے شاعری بھی شروع کر دی۔"
حمید خاموش رہا۔ اور فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بھئی دیکھو جو کچھ ہونا تھا ہو ہی چکا۔ اب دماغ خراب کرنے سے کیا فائدہ ـــ؟ کچھ سوچنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ پرسکون رہا جائے۔"
"لیکن انسان اپنے خیالات پر قابو نہیں پا سکتا۔"
"قطعی پا سکتا ہے۔ بس قوت ارادی مضبوط ہونا چاہئے۔"
پھر اس سے پہلے کہ حمید کچھ کہتا۔ فون گنگنا اٹھا۔
"ہیلو ـــ فریدی نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔
"کرنل فریدی اسپیکنگ۔"
"میں سب انسپکٹر خالد بول رہا ہوں۔ پرنسٹن کے چوراہے سے۔ یہاں اس پولیس جیپ کو حادثہ پیش آ گیا ہے جو....."
"میں وہاں آ رہا ہوں۔" فریدی نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اور ریسیور رکھکر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔
"میں بھی آؤں۔" حمید نے پوچھا۔
"ہاں ہاں آؤ۔"

"ہوا کیا — ؟"

"وہ جیپ حادثے کا شکار ہوگئی۔ جو قیدیوں کو لے کر آرہی تھی۔"

"اوہ ..... ؟"

باہر آکر فریدی نے اپنی لنکن سنبھالی۔

اور گھر سے نکلنے کے چھٹویں منٹ پر وہ پرنسٹن کے چوراہے کے قریب پہونچ گئے۔

گاڑی کو کچھ فاصلے ہی پر روک لینا پڑا تھا۔ کیونکہ لوگوں کے اژدہام نے راہ قطعی مسدود کردی تھی۔

"آگے بڑھنا تو مشکل ہے۔" حمید کار سے اترتا ہوا بولا۔

پھر اس سے پہلے کہ فریدی کچھ کہتا۔ سب انسپکٹر خالد اور تین سپاہی ان کے قریب آگئے۔

"یہ اتنی بھیڑ کیوں ہے۔" فریدی نے خشک لہجہ میں کہا۔

"وہ ...... ہم ...... میں ...... دراصل میرے ساتھ زیادہ سپاہی نہیں ہیں — کوتوالی فون کیا ہے۔ اور سپاہی آجائیں تو لوگوں کو بھگایا جائے۔

"میں آپ کے لئے راستہ بنواتا ہوں۔"

چند سپاہیوں نے بدقت تمام لوگوں کو ہٹا کر راستہ بنایا۔ اور فریدی اور حمید موقعۂ واردات پر پہونچ سکے۔

زمین کا یہ حصہ بالکل جھلس کر رہ گیا تھا۔ کہیں کہیں گڑھے بھی ہوگئے تھے۔ جیپ لاتعداد حصوں میں تقسیم ہوچکی تھی۔

گوشت کے لوتھڑے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ خون نے
یہاں کی ہر چیز کو سرخ کر رکھا تھا۔
حمید جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ ایسے ہولناک منظر اس نے
کم ہی دیکھے تھے۔
فریدی کی عقابی نظروں نے ایک منٹ میں ہر چیز کا تفصیلی جائزہ
لے لیا۔ اور پھر وہ انسپکٹر خالد کی طرف مڑا۔
"مجھے انچارج صاحب نے جیپ کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا"
خالد بولا۔
"لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے۔؟" فریدی نے پوچھا۔
لوگوں کا بیان ہے۔ کہ دو آدمیوں نے ہاتھ کے اشارے سے
جیپ کو روکا۔ اور اس میں بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو ریوالور کی زد
میں لے کر ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو نیچے اتار لیا
ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جیپ روکنے
والوں نے ایک سپاہی کی جیب سے ہتھکڑیوں کی چابی نکالی۔ اور
ان دونوں کی ہتھکڑیاں کھول کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔
یہ سب کچھ بمشکل ایک منٹ میں ہو گیا تھا۔ جیپ سے کچھ دور ہٹنے
کے بعد جیپ روکنے والوں نے اپنی جیبوں سے۔ دو ہینڈ بم نکالے
اور وہ جیپ پر پھینک مارے۔ دھاکوں کے ساتھ جیپ کے
پرخچے اڑ گئے تھے۔ لوگ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اور اسی
بھگدڑ میں ان چاروں کو فرار ہونے کا موقع مل گیا۔"

"زخمی کتنے ہوئے ۔۔۔؟" فریدی نے سوال کیا۔
"پانچ ۔۔۔" خالد نے جواب دیا۔ انھیں ہسپتال بھیجا جا چکا ہے اور ان چاروں سپاہیوں کے لوتھڑے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"
"ہوں۔" فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ اور پھر اچانک خالد سے مخاطب ہو کر بولا۔
"لوگوں نے ان چاروں کو پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔"
"میں نے عرض کیا نا۔ کہ بھگدڑ ہو جانے کی وجہ سے انہیں فرار کا موقع مل گیا۔"
"بھگدڑ تو بم پھٹنے کے بعد ہوئی ہوگی۔"
"جی ہاں۔۔۔۔ ریوالوروں کی وجہ سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔"
"اور اس وقت ڈیوٹی کا نسٹبل کہاں تھا۔"
"یہیں تھا۔ لیکن نہتا ہونے کی وجہ سے وہ بھی کچھ نہ کر سکا۔"
فریدی بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف مڑ گیا۔
"آؤ چلیں۔۔۔" اس نے کہا۔
تھوڑی دیر بعد وہ لنکن میں واپس گھر کی طرف جا رہے تھے۔
"چلئے یہ قصہ بھی ختم ہوا۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔
فریدی کچھ نہیں بولا۔۔۔ کار دوڑتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھر پہونچ گئے۔ ایک نوکر نے اطلاع دی۔ کہ انور کا فون آیا تھا۔
"کب ۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"ابھی آپ کے آنے سے پانچ منٹ پہلے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ الجیریا ہوٹل سے رنگ کر رہے ہیں۔"

"اوہ.... فریدی ہونٹ سکوڑ کر کچھ سوچنے لگا۔ اور پھر اچانک حمید سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"اب کہاں.... ؟" حمید جھلا کر بولا۔

"الجیریا ہوٹل۔" فریدی نے کہا۔ اور باہر کی طرف مڑ گیا۔

حمید بھی پیر پٹختا ہوا اس کے پیچھے بڑھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر لنکن میں تھے۔ اور لنکن الجیریا ہوٹل کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔

الجیریا ہوٹل ابھی حال ہی میں کھلا تھا۔ شائد تین چار مہینے سے۔ یہ ہوٹل بھی ڈی فرانس اور آرلکچنو کے معیار کا تھا۔ اور حمید کی اکثر شامیں وہاں گزر رہی تھیں۔

راستے میں فریدی بولا۔

حمید یہ چیز مجھے بڑی کھٹک رہی ہے۔"

"کیا چیز.... ؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"آخر مجرموں کو اس کا علم کیسے ہو گیا۔ کہ میں نے انکے گرفتار شدہ ساتھیوں کو کوتوالی سے اپنے گھر بلوایا ہے..... اور اگر انھیں اس کا علم نہیں ہوا تھا تو پھر وہ راستے میں ہی جیپ روک کر اپنے ساتھیوں کو کیسے چھڑا لے گئے..... یہ اتفاق بھی نہیں

ہو سکتا۔ کہ وہ اچانک ہی راستے میں مل گئے ہوں۔ ہینڈ بم کی موجودگی ثابت کرتی ہے۔ کہ وہ تیاری کر کے پہونچے تھے۔"

"آپ نے مجھے ابتک اس تحریک کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"یہ بہت خوفناک تحریک ہے۔ حمید صاحب! اٹھارہویں صدی میں اس تحریک نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔"

"اوہ ۔۔۔۔ تو یہ بہت قدیم تحریک ہے۔"

"ہاں" فریدی نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے بڑی مشکل سے ختم کیا تھا۔ لیکن اب یہ پھر سر اٹھا رہی ہے۔"

"اس تحریک کا مقصد کیا ہے ۔۔۔؟"

"جلد ہی وہ بھی سامنے آ جائے گا۔" فریدی نے کہتے ہوئے گاڑی الجیریا ہوٹل کے کمپاونڈ میں موڑ دی۔

انور ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں موجود تھا۔ فریدی اور حمید اس کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

"میں نے ابھی آپ کو فون کیا تھا۔" انور نے کہا۔

"مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ کیوں ۔۔۔ کیا بات ہے۔"

"کیا آپ کو پولیس جیپ کے حادثے کا علم ہو چکا ہے۔"

"ہاں ۔۔۔"

"جس وقت وہ حادثہ ہوا میں وہاں موجود تھا۔"

"اوہ..... فریدی ہونٹ سکوڑ کر انور کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
حمید لاپرواہی سے ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا۔
انور نے کہا۔ میں پیدل ہی پرنسٹن کی طرف جا رہا تھا۔ چوراہے کی طرف مڑتے ہی میں نے چار آدمیوں کو دیکھا۔ جن میں سے دو کے ہاتھ میں ریوالور تھے۔ اور دو خالی ہاتھ تھے۔ میں نے ان کو فوراً پہچان لیا۔ وہ وہی تھے۔ جنہیں میں نے اور حمید نے سنڈری جنگل میں پکڑا تھا۔"
"صرف میں نے۔" حمید بڑبڑایا۔ تم میں اتنی سکت نہیں ہے کہ کسی کو پکڑ سکو۔"
"تم چپ بیٹھو۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔
حمید برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔
فریدی پھر انور کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
"ہاں تو پھر....."
"میں ان کی طرف جھپٹا تھا۔ انور نے کہا۔ لیکن میرے قریب پہنچنے سے پہلے۔ ان دونوں ریوالور والوں نے اپنی جیب سے ہینڈ بم نکال کر قریب کھڑی ہوئی جیپ پر کھینچ مارے۔
دھماکے کی وجہ سے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ مگر میں نے ان چاروں کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ نازلی سینما والی سڑک پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ چاروں بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے اور اس کار میں بیٹھ گئے۔ کار اسٹارٹ ہو گئی۔ اور میں نے دوڑ کر

ایک ٹیکسی پکڑی۔ بہرحال تعاقب ہی کرتے ہوئے میں یہاں پہونچا ہوں۔ کار ان چاروں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور اور وہ چاروں اس وقت اوپری منزل پر موجود ہیں۔"

"اوہ.... دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

"فریدی صاحب! تب تو ہم نے یہاں آکر غلطی کی۔"

"کیوں ـــ؟"

"ممکن ہے مجرموں کا کوئی ساتھی اس وقت بھی ہمیں دیکھ رہا ہو۔"

"تو پھر ـــ؟"

"میرا سر۔" حمید جھنجلا گیا۔

"اس میں گوبر بھرا ہوا ہے۔" فریدی نے کہا۔ اور پھر انور سے بولا۔ "وہ لوگ کس منزل پر گئے ہیں؟"

"پانچویں منزل پر ـــ میں نے بھی وہاں جانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن زینے کے اختتام پر مجھے دو آدمیوں نے روک لیا۔ پھر جب میں بگڑا تو انہوں نے مجھ سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ وہ ہوٹل کے ملازم ہیں۔ اور ان کا فرض ہے کہ اجنبی آدمی کو بغیر پوچھ گچھ کے اوپر نہ جانے دیں۔"

"میں نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے ایک دوست سے ملنا ہے جو ایک سو سترہ نمبر کے کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ دوست کا نام بھی فرضی ہی بتایا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سو سترہ نمبر کا کمرہ

چوتھی منزل پر ہے۔ بس پھر میں وہاں سے لوٹ آیا۔ اس کے بعد ہی آپ کو فون کیا تھا۔"

"کیا تمہیں ہر منزل پر روکا گیا تھا۔"

"جی نہیں۔۔۔ صرف پانچویں منزل پر۔"

"یہ بات خالی از علت نہیں ہو سکتی۔" فریدی بڑبڑایا۔

"جی ہاں میرا خیال تو یہ ہے۔ کہ پانچویں منزل پوری کی پوری مجرموں کے قبضے میں ہے۔ جبھی وہ لوگ غیر متعلق آدمی کو اوپر نہیں جانے دیتے۔

اور اگر واقعی ایسا ہے تو یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے۔ کہ ہوٹل کا منیجر بھی ان سے ملا ہوا ہوگا۔"

"ہوں۔۔۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ اور پھر اس نے انور سے پوچھا۔

"تم نے مجھے فون کہاں سے کیا تھا۔۔۔؟"

"ہوٹل کے سامنے والے بوتھ سے۔ لیکن وہاں سے بھی میں ہوٹل ہی کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ ابھی تک باہر نہیں نکلے۔"

فریدی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے اچانک اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں یہیں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی ہوٹل سے باہر نکلا چلا گیا۔

لائٹر کا تحفہ

ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں اس وقت رونق نہیں تھی۔ گنتی کے چند آدمی اور چار پانچ ہی لڑکیاں نظر آرہی تھیں ــــ

جب سے گمشدگی کی وارداتوں نے زور پکڑا تھا۔ اس وقت سے شہر کی تفریح گاہوں کی یہی حالت ہو گئی تھی۔ لوگ اپنے گھروں سے نکلتے ہوئے ڈرنے لگے تھے۔ اور دس بجے کے بعد تو سارا شہر تقریباً ویران ہوکر رہ جاتا تھا۔

حمید نے محسوس کیا۔ کہ قریبی میز پر بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کا موضوع بحث بھی گمشدگی کی وارداتیں ہیں

فریدی بیس منٹ بعد واپس لوٹا۔ اس عرصے میں حمید اور انور میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی بھی وہ خاموش ہی رہے تھے۔ اگر نہ رہتے تو جھڑپ ہوجانا لازمی تھی

فریدی نے آتے ہی ان سے اٹھنے کیلئے کہا۔
بل ادا کرکے انور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ باہر آ ئے۔ اور فریدی نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھکرا نجن اسٹارٹ کر دیا۔
انور اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ اور حمید نے پچھلی نشستوں پر دراز ہوکر خراٹے لینا شروع کر دیئے۔
کار چل پڑی تھی۔ انور نے کہا۔
"کیا ہوٹل کی نگرانی کی ضرورت نہیں ہے"
"ہے کیوں نہیں ـــ"
"پھر ـ ؟"
"پھر یہ کہ میرے آدمی ہوٹل پہونچ چکے ہیں"
"کب ــ؟" انور نے چونک کر پوچھا۔
"ابھی میں نے ان لوگوں کو فون کیا تھا۔ پھر اس وقت سے باہر ہی رکا رہا۔ جب تک کہ وہ پہونچ نہ گئے۔ اس کے بعد اندر آکر میں نے تم دونوں کو ساتھ لیا تھا۔
ہوٹل کی اوپری منزلوں سے باہر آنے والے ہر فرد کی نگرانی کی جائے گی۔"
"مگر اس کے لئے تو کافی آدمی درکار ہوں گے"
"ہاں۔ فریدی نے کہا۔ یہ شائد پہلا کیس ہے جس میں اتنے آدمیوں سے کام لے رہا ہوں"
"کیوں نہ ہوٹل میں چھاپہ مار دیا جائے۔

"یہ ایک احمقانہ حرکت ہوگی۔ یہ گروہ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی ایک ایک شاخ کو نیست و نابود کر دوں۔ اگر میں نے ہوٹل پر چھاپہ مار دیا تو دوسرے ہوشیار ہوجائینگے۔"
"ٹھیک یاد آیا۔ آپ نے مجھے بتایا تھا۔ کہ یہ کوئی خاص تحریک ہے۔ لیکن اس کا مقصد کیا ہے۔۔۔۔۔ یہ آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا۔"
"فی الحال میں اسی کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ فریدی نے کہا۔ اور پھر مسکراتا بولا۔
اور تم تو ویسے بھی اخباری نمائندے ہو۔"
"لیکن آپ کے حکم کے بغیر۔۔۔۔۔"
"ہاں۔۔۔ آں۔۔۔" فریدی نے اسکی بات کاٹتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔
"میں جانتا ہوں کہ تم میری اجازت کے بغیر کوئی خبر نہیں چھاپوگے۔ لیکن احتیاط ضروری سمجھتا ہوں۔
ہاں اس بات کا وعدہ ہے۔ کہ اس تحریک کی کہانی جس اخبار میں سب سے پہلے آئے گی۔ وہ اخبار تمہارا ہوگا۔ کل میں تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔"
"کل۔۔۔؟" انور نے چونک کر پوچھا۔
"ہاں۔۔" فریدی نے کہا۔ کل رات تک اس گروہ کا خاتمہ ہوجائے گا۔ یہ بڑا ہی اچھا ہوا کہ میں ان کی نظروں میں آگیا

یہ لوگ مجھ سے خبردار ہو گئے۔ اب میرے پیچھے پڑ ہیں گے۔ اور میرا جال ان کے گرد مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔"

"اوہ ...." انور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

حمید بدستور خراٹے نشر کر رہا تھا۔

فریدی بولا۔

"دیکھو ایک کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے"

"ضر ر... ضرپ ..." یک لخت حمید کے خراٹے رک گئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عقبی شیشے سے پیچھے جھانکا۔ لیکن وہاں تو نہ جانے کتنی کاریں تھیں۔ اس کا اندازہ کیسے ہوتا۔ کہ فلاں کار تعاقب کر رہی ہے۔"

"اوہ ... ہاں ...." انور چونکتا ہوا۔ "یہ تو وہی کار ہے"۔

"کیا مطلب ... ؟"

"جس کا تعاقب کرتا ہوا میں الجیریا ہوٹل پہونچا تھا"

"ہوں ..." فریدی کچھ سوچنے لگا۔ اور پھر بولا۔

"اس کے نمبر نوٹ کرو"

"وہ تو میں نے پہلے ہی نوٹ کر لئے تھے"

"گڈ ... تم بہت ذہین ہوتے جا رہے ہو"

"بہت" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

نمبر پہلے سے نوٹ کر لینا واقعی ذہانت کی بات ہے"۔

فریدی ہلکے سے ہنس پڑا۔ اس نے انور کو اسی لئے ذہین

کہا تھا۔ کہ حمید جل کر کچھ بول پڑے۔ اس کی زیادہ دیر تک خاموشی فریدی کو خلش میں مبتلا کر دیتی تھی۔

"اور ہاں۔۔۔! اچانک فریدی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

"میں نے تمہارے لئے ایک سگریٹ لائٹر خریدا ہے۔"

"لائٹر۔۔۔؟" انور کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"ہاں یہ لو۔۔۔!" فریدی نے جیب سے لائٹر نکال کر انور کو دے دیا۔

حمید نے بڑی تیزی سے پلکیں جھپکائیں۔ اور پھر انگوٹھا چوستا ہوا بولا۔

"پھلیدی چھاپ۔ ہمیں بھی کچھ دلا دیجئے نا۔"

"دودھ پینے کی شیشی لو گے۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔ اور اچانک انور سے مخاطب ہو گیا۔

"تم گھر جاؤ گے نا۔"

"ہاں۔۔۔"

"بس تو پھر میں تمہیں وہیں اتار دوں گا۔ خیال رہے کہ یہ لائٹر تم سے ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہ ہو۔"

لائٹر اب بھی انور کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

دو منٹ بعد ہی فریدی نے لنکن اس بلڈنگ کے

نیچے روک دی۔ جس میں انور رہتا تھا۔

انور کے اتر جانے کے بعد فریدی نے گاڑی پھر آگے بڑھا دی

"کون سی کار ہے ہمارے تعاقب میں؟" حمید نے پوچھا۔

"سلیٹی رنگ کی واکس ہال۔"

"اوہ......" حمید نے آگے جھک کر عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ سلیٹی رنگ کی واکس ہال اور فریدی کی لنکن کے درمیان ایک کار اور بھی موجود تھی۔ حمید ایک طویل سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔

کچھ خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔

"یہ لائٹر کیسا تھا۔؟"

"اچھا خاصا تھا۔ خوبصورت تھا۔ کیوں.....؟"

اس جواب پر حمید بھنا کر رہ گیا۔

لنکن کا تعاقب کوٹھی تک جاری رہا تھا۔ اور پھر وہ سلیٹی رنگ کی واکس ہال آگے نکلی چلی گئی تھی۔

اپنے کمرے میں پہونچکر فریدی نے سگار سلگایا۔ اور پھر کوتوالی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

چند لمحے بعد دوسری طرف انچارج کی آواز سنائی دی۔ اور فریدی نے کہا۔

"میں فریدی بول رہا ہوں۔"

"تف...... فرمائیے جناب...؟"

"آپ کے علاوہ اس بات کا علم اور کس کس کو ہوا تھا — کہ میں نے ان دونوں گرفتار شدہ آدمیوں کو اپنی کوٹھی پر بلایا ہے"
"میں نے صرف ڈی آئی جی صاحب کو فون کر کے اجازت لی تھی"
"بس — ؟"
"جی ہاں —"
فریدی نے سلسلہ منقطع کر کے سگار سلگایا۔ اور پھر سوچ میں ڈوب گیا۔
حمید کو نیند آنے لگی تھی۔ اور پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں — لیکن جب فریدی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو حمید بآواز بلند جماہیاں لینے لگا۔
فریدی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر برا سا منہ بنا کر بولا۔
"تم جا سکتے ہو۔"
"شکریہ —" حمید کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کے جانے کے بعد فریدی ایک گھنٹے تک بیٹھا کسی سوچ میں ڈوبا رہا۔ اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔
تھوڑی دیر بعد اس کی لنکن ایک بار پھر الجیریا ہوٹل کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔
فریدی سوچ رہا تھا۔ کہ کسی طرح ان لوگوں کو الجیریا ہوٹل سے بھگانا چاہیئے۔ وہاں سے فرار ہو کر وہ لوگ یقیناً

اپنے کسی اور اڈے پر جائیں گے۔ اور اس طرح ان کا وہ ٹھکانا بھی نظر میں آجائے گا۔

ہوٹل پہونچکر اس نے اپنی کار روکی اور ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں اس کے بہتیرے آدمی موجود تھے۔ فریدی انہیں ایک مخصوص قسم کا اشارہ کرتا ہوا زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے یہی سوچا تھا۔ کہ پانچویں منزل پر اگر کسی نے اسے روکنے کی کوشش کی تو وہ بھڑ ہی جائے گا۔

لیکن ایسا نہیں۔ پانچویں منزل کے زینوں کے اختتام پر کوئی بھی نہیں تھا۔ حالانکہ انور کے بیان کے مطابق اسے دو آدمی اسی جگہ ملے تھے۔ اور انہوں نے اسے روکا تھا۔ فریدی آگے بڑھتا چلا گیا۔ پوری گیلری سنسان پڑی تھی۔ اور ہر کمرہ مقفل تھا۔

فریدی کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ کمروں کے مقفل ہونے کا مطلب یہی ہوسکتا تھا۔ کہ وہ لوگ فرار ہوگئے۔

گیلری کا چکر لگا کر فریدی پھر ڈائننگ ہال میں آگیا یہاں اس کے آدمی مستعد بیٹھے تھے۔ فریدی نے ان میں سے ایک کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"یس کرنل۔" اس آدمی نے قریب آکر کہا۔

"اب تک کتنے آدمی یہاں سے گئے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"اکتیس جناب ...... اور ان میں سے چودہ آدمی واپس بھی آ چکے ہیں۔"

"خوب ۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کا مطلب ہے کل سترہ آدمی باہر ہیں؟"

"جی ۔"

"اچھا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"بارہ بجے مجھے پھر رپورٹ ملنا چاہیئے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی ہوٹل سے باہر آ گیا۔

گھر سے چلتے وقت بھی اس نے محسوس کیا تھا۔ کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہے۔ اور اب بھی اس نے یہی چیز محسوس کی۔

گھر پہنچنے تک فریدی کا تعاقب جاری رہا۔ اور پھر تعاقب کرنے والی گاڑی آگے نکلی چلی گئی۔

فریدی اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

بارہ بجے فون موصول ہوا۔ کہ باقی سترہ آدمی بھی واپس ہوٹل میں آ چکے ہیں۔

"اچھا۔" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اب تم پانچویں منزل پہ جاؤ۔ اگر کوئی روکے تو خاموشی سے واپس آ جانا۔ ورنہ پھر ساری گیلری کا

چکر لگا کر آنا۔"

"بہت بہتر۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بیس منٹ بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اور فریدی کو اطلاع ملی کہ پانچویں منزل قطعی سنسان پڑی ہے۔ اور کوئی کمرہ بھی غیر مقفل نہیں ہے۔"

"اچھا۔" فریدی نے کہا۔

"اب تم لوگ ہوٹل سے واپس چلے جاؤ۔"

اور پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ جو اکتیس آدمی ہوٹل سے جا کر واپس لوٹ آئے تھے وہ یقیناً پہلی دوسری تیسری اور چوتھی منزلوں پر رہائش پذیر ہوں گے۔ اور ان کا تعلق مجرموں کے گروہ سے نہ ہوگا لیکن پھر پانچویں منزل کے افراد کیسے غائب ہو گئے؟"

یہ سوال غور طلب تھا۔

(۲)

دوسرے دن تیسرے پہر کو حمید اپنے دوست کے پاس جا کر اس سے وہ کارڈ لے آیا۔ جو نیلوفر نے اس کے لئے دیا تھا۔

گزشتہ رات فریدی نے جو کچھ کیا تھا۔ اس کا علم

حمید کو نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے پوچھنے کی ضرورت محسوس کی۔ البتہ فریدی نے دعوتی کارڈ دیکھنے کے بعد حمید سے کہا تھا۔

"ذرا ہوشیار رہنا۔"

"کیوں ۔۔۔؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"شانگریلا کالج کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔۔؟"

"یہی۔ کہ وہ ایک کالج ہے۔ وہاں بڑی فرسٹ کلاس قسم کی فل فلوسیاں پڑھنے جاتی ہیں۔ اور۔۔۔۔۔"

"بس بس۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اتنا ہی کافی ہے۔"

"کیا آپ کسی سازش کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"شائد۔۔۔۔" فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

"اگر آپ کا یہ خیال ہے۔ تو غلط ہے۔"

"کیوں ۔۔؟"

"میں معلوم کر چکا ہوں۔ شانگریلا میں آج شہر کے بہت سے معززین مدعو ہیں۔"

"ہوں ۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

"آپ نے اب تک کیا کیا۔" حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

جواب میں فریدی نے اسے گزشتہ رات کا واقعہ بتایا۔

"اوہ ۔۔۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

جب آپ کے آدمی نگرانی کر رہے تھے۔ تو وہ لوگ کہاں گئے۔؟"

"یہی بات تو سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"میں سوچ رہا ہوں۔ کہ ایک بار پھر الجیریا ہوٹل جاؤں۔"

"کیوں۔؟"

"منیجر سے کچھ سوال کروں گا۔"

"کیا۔؟"

"یہ ابھی میں نے خود بھی نہیں سوچا۔"

"اچھا تو پھر میں تو چلتا ہوں۔"

"جاؤ۔"

حمید اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا۔ اور زبردست قسم کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اپنا بہترین سوٹ زیب تن کیا۔ اور سینٹ کی پوری شیشی اپنے اوپر انڈیل لی۔ اس میں اسے تقریباً پون گھنٹے لگ گئے۔ اور پھر اس نے فون پر قاسم کے نمبر ڈائل کئے۔

تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ لیکن وہ قاسم نہیں تھا۔ آواز اس کی بیوی کی تھی۔ حمید نے اس سے قاسم کے متعلق پوچھا۔

"وہ ابھی ابھی یہاں سے روانہ ہوئے ہیں۔"

"اوہ — اچھا۔" حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کا مطلب تھا۔ کہ قاسم شانگریلا کالج روانہ ہو چکا ہے۔

حمید نے اپنی کرسلر نکالی۔ اور اسے کافی رفتار پر چھوڑ دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ قاسم سے پہلے وہاں پہونچ جائے اس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا۔ قاسم کی کار اس سے آدھا منٹ بعد پہونچی تھی۔

ان دونوں ہی کا استقبال خود نیلوفر نے کیا۔

"ہیلو مسٹر قاسم ...... ہیلو مسٹر ساجد۔"

"ہیلو —!" حمید نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کہئیے مزاج تو اچھے ہیں۔"

"جی ہاں ..... کیوں نہیں ..." نیلوفر نے مسکراتے ہوئے کہا — اور پھر بولی

"آئیے مسٹر قاسم۔"

وہ ان دونوں کو لے کر اندر کی طرف چلی۔ قاسم کا منہ پھول گیا تھا۔ اور اس کی وجہ یقیناً حمید کی موجودگی تھی۔

حمید شرارت آمیز انداز میں بولا۔

"کیوں مسٹر قاسم! کیا آپ پان کھا رہے ہیں —؟"

"قیوں! تم سے مطلب۔!" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"کچھ نہیں — ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"یوں ہی ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"دراصل آپ کا منہ پھولا ہوا تھا نا۔ مجھے خیال ہوا کہ شائد آپ پان کھا رہے ہوں۔"

"تم قون ہوتے ہو خیال قرنے والے۔" قاسم دہاڑا۔

"ارے ارے مسٹر قاسم۔" نیلوفر بول پڑی۔ "اس میں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہے جرورت۔" قاسم سر جھٹک کر بولا۔ اور پھر حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں دیخوں گا بیٹا۔ جیسا تم نے میرا دل جلایا ہے نا۔ ویسا ہی تمہارے ساتھ بھی ہوئے گا۔ کیڑے پڑیں گے لاش میں سڑ سڑ کر مرو گے۔"

"کوّے کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"امے جاؤ۔ تم خود کوّے۔" قاسم بگڑ گیا۔ "بلکہ چیل کبوتر چمگادڑ بھی۔" نیلوفر بے ساختہ ہنس پڑی۔ البتہ حمید بالکل سنجیدہ تھا۔

"ساجد صاحب!" نیلوفر ہنستی ہوئی بولی۔ "میں اس بات کا یقین نہیں کر سکتی۔ کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔"

"قطعی نہیں ہیں اجنبی۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "پرسوں خود آپ ہی نے تو تعارف کرایا تھا۔"

"میرا مطلب ہے آپ اس سے بھی پہلے سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔"

"ارے۔۔۔؟" دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔

یہ ایک طویل گیلری تھی۔ جس کے دونوں طرف کمروں کے دروازے تھے۔
"کیوں۔۔۔؟" نیلوفر مستفسرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگی۔
"باتوں باتوں میں ہم لوگ آگے نکل آئے۔" حمید نے کہا۔ دوسرے افراد تو......"
"ہاں ہاں۔" نیلوفر اسکی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ دوسرے لوگ جس دروازے سے جا رہے تھے۔ میں آپ کو اس سے نہیں لے جانا چاہتی تھی۔"
"کیوں۔۔۔؟" حمید اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔
"ان کی مرضی۔" قاسم بولا۔ تم قوان ہوتے ہو بولنے والے۔"
"دراصل مسٹر ساجد! نیلوفر بولی۔ "فنکشن میں میں بھی حصہ لے رہی ہوں۔ آپ کو اسٹیج کی سائڈ میں بٹھاؤں گی۔"
"اوہ...."
"آئیے نا۔" نیلوفر نے قدم بڑھایا۔
سب سے پہلے قاسم آگے بڑھا۔ اور پھر حمید۔۔۔ لیکن اب وہ محتاط ہو گیا تھا۔ چھٹی حس خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ دفعتاً وہ پھر رک گیا۔ مزید آگے بڑھنا اسکی دانست میں خطرے کو قریب سے قریب تر لانا تھا۔
"کیوں اب کیا ہو گیا کیپٹن!" نیلوفر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔
"کیپٹن۔۔۔؟" حمید کے ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا۔ تو یہ

اسکی اصلیت سے بھی واقف تھی۔
دوسرے ہی لمحہ حمید کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں گیا۔ اور اسی نیلوفر کے قہقہے سے پوری راہداری گونج اٹھی۔
حمید کو فوراً ہی اس قہقہے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ کیونکہ اسکی جیب سے ریوالور غائب تھا۔
"کیوں کیپٹن ۔۔؟" نیلوفر پھر بولی۔
"کیا میں اتنی بے وقوف ہوں کہ محکمہ سراغرسانی کے ایک افسر کی جیب میں ریوالور رہنے دوں۔ تمہارا ریوالور میرے پرس میں ہے۔"
قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔
اچانک حمید نے نیلوفر پر چھلانگ لگائی اور وہ چیخ پڑی۔
"مسٹر قاسم بچاؤ مجھے۔"
دوسرے ہی لمحے قاسم بغیر کچھ سوچے سمجھے جھپٹ پڑا۔ حمید کو اچھل کر الگ ہٹ جانا پڑا تھا۔ ورنہ وہ یقینی طور پر قاسم کی گرفت میں آجاتا۔ اور گرفت میں آنے کے بعد یہ کہاں ممکن تھا۔ کہ وہ آزاد ہو جاتا۔
"قاسم! مارو اسے۔" نیلوفر پھر چیخ پڑی۔
یہ ایک نئی افتاد پڑی تھی۔ حمید بدک کر اسی طرف بھاگا جدھر سے آیا تھا۔ مگر وہ راستہ اب مسدود ہو چکا تھا۔ دس آدمی مختلف کمروں سے نکل کر بیچ راہداری میں آکھڑے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر حمید کے دل کو ڈھارس بندھی کہ وہ مسلح نہیں تھے۔ حمید بھاگتے بھاگتے یک لخت رکا اور محتاط انداز میں آگے بڑھا۔
ان دسوں آدمیوں میں سے پانچ آگے بڑھ آئے تھے۔
اچانک حمید نے اپنی گردن پر ایک بھاری ہاتھ کی گرفت محسوس کی۔ اور اس کے ساتھ ہی نیلوفر کی آواز سنائی دی
"چھوڑ دیئے گا مت مسٹر قاسم"
حمید کی گردن پکڑنے والا قاسم ہی تھا۔
قاسم! ہوش میں آؤ" حمید غرایا۔
" اب بے جاؤ۔ تم سالے ہر جگہ میرا کباڑا کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہو" قاسم نے کہا۔
پانچوں آدمی اب قریب آ چکے تھے۔ اور حمید کی گردن بدستور قاسم کی گرفت میں تھی۔
حمید کو غصہ آ گیا۔ پھر جو اس نے ایک گھونسہ پوری طاقت سے قاسم کی ناک پر رسید کیا ہے تو وہ ٹکراتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔
اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا تھا۔ مگر یہ گالیاں بھی جدید طرز کی تھیں۔ دراصل قاسم کا ذہن اس وقت حمید کو بڑی تیزی سے گالیاں دے رہا تھا۔ مگر زبان میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ ذہن کا ساتھ دے سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہتیری گالیاں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو کر ایک نئی شکل

اختیار کر گئیں۔

قاسم کو گھونسہ رسید کرنے کے بعد حمید ان پانچوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اسکے سر پر پہونچ چکے تھے۔ حمید اچھل کر ایک طرف ہٹا اور ان کی زد سے نکلنے کے بعد جو اس نے بڑھ بڑھکر ہاتھ اڑانے شروع کئے ہیں تو تین منٹ کے اندر اندر دو آدمی ڈھیر ہو گئے۔ باقی تینوں کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ کسی کے ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ اور کسی کی آنکھ سوج گئی تھی۔

اپنے ساتھیوں کی یہ حالت دیکھکر باقی پانچوں بھی آگے بڑھے۔

اتنی دیر میں قاسم بھی سنبھل چکا تھا۔ گھونسے نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اور وہ سخت غصے میں تھا۔ بہر حال حمید اسی سے بچنے کے چکر میں مار کھا گیا۔ اور آٹھویں نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

"چھوڑ دو اسے۔" قاسم دہاڑا۔ مار ڈالوں گا سالے کو۔

حمید ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ نیلوفر بولی۔

"نہیں مسٹر قاسم.....! ابھی نہیں بعد میں

ساگر زمان

قفس میں

وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی۔ جس نے انور کو نیند سے چونکا دیا۔ لیکن اونگھتا ہوا ذہن یہ نہ سمجھ سکا۔ کہ آواز کس چیز کی تھی۔ اس نے بڑبڑا کر کروٹ بدل لی مگر دوسری بار تو وہ آواز بالکل صاف سُنائی دی تھی وہ اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔

اطلاعی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے" انور بڑبڑاتا ہوا بستر سے نیچے اتر آیا۔ سلیپر پہنے۔ اور کھونٹی سے ٹنگا ہوا گاؤن اتار لیا

گھنٹی اب بھی بج رہی تھی۔ انور نے چیخ کر کہا۔

"آرہا ہوں بھائی .... آرہا ہوں .... مر نہیں گیا۔"

گھنٹی کی آواز آنی بند ہو گئی۔

انور نے گاؤن پہن کر دروازے کی سٹکنی گرائی۔ اور پھر جیسے ہی دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھوں پر اتنی تیز روشنی پڑی کہ وہ چندھیا رہ گیا، پھر اس سے پہلے کہ کچھ سمجھنے کی کوشش کرتا اس کی آنکھوں کے سامنے ستاروں کا رقص شروع ہو گیا سر پر لگنے والی ضربیں اتنی ہی شدید تھیں۔

انور کے منہ سے ایک گندی سی گالی نکلی، اور وہ تیورا کر فرش پر گرا۔ ذہن لامحدود تاریکیوں میں سماتا چلا جا رہا تھا۔

وہ نہ معلوم کب تک بیہوش رہا۔ آنکھ کھلنے پر نظروں کے سامنے پیلی پیلی سی دھند چھائی ہوئی نظر آئی تھی۔ تکلیف کے احساس نے سر پر ہاتھ پھیرنے کے لئے مجبور کر دیا کئی چھوٹے بڑے گومڑے ابھر آئے تھے۔ ہاتھ لگنے سے تکلیف کا احساس بڑھا اور انور کے منہ سے ہلکی سی سسکاری نکل گئی۔ ہاتھ غیر ارادی ہی طور پر سر سے ہٹا تھا۔

آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند میں اب کہیں کہیں سیاہ دھبے بھی نظر آنے لگے تھے۔ انور بار بار پلکیں جھپکانے لگا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ کہ آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی پیلاہٹ اور سیاہ

دھبے سر پہ لگنے والی چوٹوں کا نتیجہ ہیں۔ دھبے آہستہ آہستہ پھیلتے جا رہے تھے۔ اور دھند سمٹنے لگی تھی۔ سمٹتے سمٹتے وہ بالکل غائب ہو گئے۔ اب انور کی نظروں کے سامنے چھت میں ایک چھوٹا سا بلب لٹکا ہوا تھا۔ چالیس وولٹ کا بلب جس کی روشنی اس بڑے کمرے کیلئے ناکافی تھی۔ انور نے آنکھیں مل کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ سر کو معمولی سی بھی جنبش نہیں دی تھی۔ ورنہ تکلیف کا احساس بڑھ جاتا۔ یہ ایک طویل و عریض کمرہ تھا۔ فرش پہ ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ کھڑکیاں نہیں تھیں۔

انور نے اٹھنے کی کوشش کی۔ اور کراہ کر پھر لیٹ گیا۔ حرکت کرنے سے کھوپڑی میں دھمک سی محسوس ہونے لگی تھی۔ ایسا ہی لگا تھا۔ جیسے کسی نے بھیجے پر درزنی ہتھوڑے برسا دیئے ہوں۔

انور کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا۔

دوسری بار ہوش میں آنے پر سر کی تکلیف میں کمی تھی۔ انور نے دو جانی پہچانی آوازیں سنیں اور چونک پڑا مگر اس نے حرکت نہیں کی تھی۔ ساکت و صامت پڑا حمید اور قاسم کی گفتگو سنتا رہا تھا۔ قاسم بھرائی

آواز میں کہہ رہا تھا۔
"غمید بھائی..... مجھے ما پھ..... معاف..... قر دو۔"
"ادہا تھی کی اولاد اب معاف کرنے سے کیا ہمیں لڈو کھانے کو مل جائیں گے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔
اس پر قاسم نے پہلے تو ایک لمبی چوڑی ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔
"ہائے ری کسمت! تمہاری بات مانتا ہوں تو مشکل ہو جاتی ہے نہیں مانتا ہوں تو مصیبت آتی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کریں گارت..... غارت۔ ہی ہو جاتا۔ ہائے میری وجہ سے میرا پیارا حمید بھائی بھی مصیبت میں پھنس گیا۔"
اور پھر جو قاسم نے رونے کا اسٹارٹ لیا ہے تو انور بو کھلا کر اٹھ بیٹھا۔
"اوہ.....! تم ہوش میں آ گئے۔" حمید چونکتا ہوا بولا
مگر قاسم کی "محوبت" میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ وہ بدستور گھٹنوں میں منہ دئیے بلک بلک کر روتا رہا۔ یہ کوئی ایسی رونے کی بات بھی نہیں تھی۔ بس ذہنی رَو کی بات تھی۔ بہک گئی ہو گی۔ قاسم ہی ٹھہرا
"ابے میرے باپ! اس میں ٹسوے بہانے کی کیا بات ہے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔
"نہیں حمید بھاغی..... ہیچ....." قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

"مجھے رو لینے دو۔ اس طرح دل کا بوجھ بھاری ہوجاتا ہے۔"
"ہلکا ہونا محاورہ ہے۔" حمید نے تصحیح کی۔
"ٹھینگا ہونا محاورہ ہے۔" قاسم جھلا گیا۔ اس کے آنسو یک لخت رک گئے تھے۔ ہچکیاں بھی بند ہوگئی تھیں۔ وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔
"میری جبان مت پکڑا کرو۔"
حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر انور کی طرف متوجہ ہوگیا۔
"تم کیسے آ پھنسے۔۔۔۔۔؟"
"میں ۔۔" انور نے ٹھنڈی سانس لی۔ اور پھر بولا۔
"میرے ساتھ تو وہی قصہ پیش آیا ہے۔ جو الف لیلیٰ کے ایک کردار ابو الحسن کو پیش آیا تھا۔ کہ سوئے تھے اپنے جھونپڑے میں آنکھ کھلی تو محل میں تھے۔"
حمید مستفسرانہ انداز میں انور کی طرف دیکھتا رہا۔ قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا کچھ سوچنے لگا تھا۔
انور نے تمام ماجرا بیان کیا۔ اور پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔
"ضربیں اتنی شدید تھیں۔ کہ سر پر اب تک پہاڑی سلسلہ آباد ہے۔"
"ہائیں۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔
"کک ۔۔ کہاں ہے۔ پہاڑی سلسلہ۔"
"میرے سر پر۔" انور مسکراتا ہوا بولا۔

"ارے..." قاسم کے منہ سے نکلا۔ اور پھر وہ جھپٹ کر انور کے قریب آیا۔ اور اس کا سر ٹٹولتا ہوا بولا۔
"کک... کہاں ہے۔؟" انور کو بیساختہ ہنسی آگئی، پھر شائد قاسم کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا۔ اسلئے اسکی "ہی ہی" بھی اسٹارٹ ہوگئی۔
"میں نے گومڑوں کو پہاڑی سلسلہ کہا تھا۔" انور ہنستا ہوا بولا۔
"غغ...... غومڑے...... ہاں غومڑے تو ہیں۔" قاسم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔
حمید ٹھنڈی سانس لیکر اسے گھورنے لگا۔
دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اور وہ تینوں چونک کر اسکی طرف دیکھنے لگے۔ دوسرا ہی لمحہ ان کے لئے چونکا دینے والا تھا۔
اس کمرے میں قید ہونے والی چوتھی شخصیت کرنل فریدی کی تھی۔ اس کے اندر آنے کے بعد دروازے کو پھر باہر سے بند کر دیا گیا۔
"آ.... آپ....؟" حمید کے منہ سے نکلا۔ اور پھر اس نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ "چلو اچھا ہی ہوا۔ سب کا مزار اکٹھا بن جائے گا۔"
"مزار.... ارے باپ رے۔" قاسم خوفزدہ انداز میں پلکیں

جھپکاتا ہوا اپنی توند سہلانے لگا۔
فریدی دری پر لیٹ کر مسکراتا ہوا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"کیوں نہ ہم پہلے سے اپنا فاتحہ درود کرلیں۔" حمید بولا۔
"ضرور کرلو۔" فریدی نے کہا۔ اور پھر انور سے مخاطب ہوتا ہوا بولا۔
"کیوں بھئی تم یہاں کیسے.....؟
انور کو ایک بار پھر اپنی روداد بیان کرنی پڑی۔ اسکے بعد حمید کا نمبر آیا۔ پھر جب لڑائی بھڑائی کا تذکرہ کررہا تھا۔ قاسم جھینپتے ہوئے انداز میں ہنستا ہوا اپنی ناک سہلانے لگا۔ حمید کے جمائے ہوئے گھونسے نے بقول خود قاسم کے ناک پلپلی کرکے رکھدی تھی۔
فریدی اور انور بے ساختہ مسکرا پڑے۔
"آپ کیسے آ گئے۔ ان لوگوں کے پھندے میں۔" حمید نے پوچھا۔
"بس۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ اور جیب سے سگار نکال کر اسے لائٹر سے سلگانے لگا۔ دو تین گہرے کش لئے۔ اور پھر اپنے لائٹر کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔
"بس پھنس ہی گیا۔ ایجیریا ہوٹل گیا تھا۔ منیجر سے کچھ سوالات کئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر مجھے اپنی کار کی وجہ سے پارکنگ شیڈ

یں جانا پڑا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ اور اس اندھیرے ہی کی وجہ سے چوٹ کھا گیا۔ کسی نے پیچھے سے کلوروفام سے تر رومال ناک پر رکھ دیا تھا۔"

"اوہ ..." انور ہونٹ سکوڑ کر کچھ عجیب سے انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اور پھر چند لمحے بعد بولا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ذہن قبول نہیں کرتا۔"

"خمیرہ گاؤزبان استعمال کیا کرو۔" حمید بولا۔ ذہن کیلئے مفید چیز ہے۔"

"تم چپ رہو۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔ پھر انور سے کہا۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"دیکھئے میں اپنا خیال پوری طرح واضح کرتا ہوں۔ آپ اس بات سے واقف تھے۔ کہ الجیریا ہوٹل سے مجرموں کا تعلق ہے اور شائد منیجر بھی انہیں کا آدمی ہے۔ اسلئے آپ یقینی طور پر ہوشیار رہے ہونگے۔ اور جب آپ ہوشیار ہو چکے ہوں تو کوئی آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔"

فریدی ہنسنے لگا چند لمحے ہنستا رہا۔ اور پھر بولا۔

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے انور۔ میں واقعی اپنی ایک اسکیم کے تحت ان لوگوں کے چنگل میں آ پھنسا ہوں۔ تم بالکل درست سمجھتے ہو مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہے۔"

"حضرت عیسیٰ کو بھی اپنے گدھے پر فخر تھا۔" حمید بڑبڑایا۔

انور نے اُسے خونخوار نظروں سے گھورا تھا۔ لیکن فریدی کی وجہ سے کچھ بولا نہیں۔

"آپ کی اسکیم کیا ہے؟" اس نے انور سے پوچھا۔

"بس دیکھتے رہو۔"

"نہ جانے ہم اس وقت شہر کے کس حصے میں ہوں گے۔"

"ہم اس وقت شانگریلا کالج میں ہیں۔"

"کیا۔۔۔۔؟" حمید اچھل پڑا۔ "شانگریلا کالج میں۔"

"ہاں ہاں۔ تو اس میں چونکنے کی کیا بات ہے۔ تم اس کالج کو کیا سمجھتے تھے؟"

"صرف کالج۔۔۔؟"

"غلط سمجھتے تھے۔ اس کے متعلق میں نے بہتیری معلومات حاصل کی تھیں۔ یہاں کسی غیر متعلق آدمی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف گروہ کے افراد آ جا سکتے تھے۔ کالج کا تو محض بہانہ تھا۔"

"اوہ۔۔۔۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

قاسم بالکل چپ تھا۔

(۲)

رات کا کچھ حصہ اور سارا دن اسی کمرے میں گزرا۔ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا ایک آدھ کمرے میں پہنچا گیا تھا۔

شام کو پھر دروازہ کھلا۔ مگر اس مرتبہ اندر آنے والے پانچ تھے۔ ان میں ایک بوڑھا بھی تھا۔ لیکن گٹھے ہوئے جسم کا مالک! اسکی شخصیت بڑی بارعب تھی۔ اور شائد وہ اپنے ساتھیوں کیلئے باعث تعظیم بھی تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ آنے والے چار آدمی بڑے ادب سے اسکے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

حمید اس بوڑھے کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسکی بڑی بڑی نیلی آنکھیں اسے مانوس معلوم ہو رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہو۔ لیکن کہاں؟ یہ اسے یاد نہیں آرہا تھا۔

"میرے معزز مہمانوں کو تکلیف تو نہیں پہونچی" بوڑھے کی آواز کمرے میں گونجی۔

"نہیں سردار" بوڑھے کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔

"ہوں" بوڑھا فریدی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا میرا ساتھی ٹھیک کہہ رہا ہے"

"کسی حد تک" فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ البتہ میرے ساتھی کو کچھ شکایت ہے" فریدی نے انور کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں ....." بوڑھے نے انور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم کو کچھ تکلیف پہونچی"

"بدقسمتی سے" انور نے قدرے جھک کر کہا۔ پہلے زمانے میں اعلان

جنگ کرنے کیلئے ڈھول وغیرہ بجائے جاتے تھے۔ لیکن تمہارے ساتھیوں نے میری کھوپڑی ہی بجا کے رکھدی۔"
"خوب.... خوب...." بوڑھا ہنستا ہوا بولا۔
"نوجوان تم بذلہ سنج بھی ہو۔ لیکن کیا کیا جائے تمہیں یہاں لانے کے لئے بیہوش کرنا ضروری تھا۔"
انور کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بوڑھے کی اس نرم گفتاری کو کیا سمجھا جائے۔
قاسم منہ پھاڑے خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کی گفتگو سنتا رہا۔
چند لمحے خاموشی رہی۔ اور پھر وہ بوڑھا بولا۔
"کرنل فریدی..... ! کیا تم بتاؤ گے۔
"کہ ہمارے بارے میں تمہیں کیا کچھ معلوم ہے۔"
"بہت کچھ۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔
"میں جانتا ہوں کہ تم ایک قدیم فرقے سے تعلق رکھتے ہو۔ اس فرقے سے جو بھوانی کو پوجتے ہیں۔"
"خوب...." بوڑھے نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے یہی خیال تھا۔ اب تم یہ بھی بتا چلو۔ کہ ہمارے فرقے کے بارے میں تم نے کس کس کو بتایا ہے۔"
"ان دونوں کو۔" فریدی نے حمید اور انور کی طرف اشارہ کیا۔

اور پھر بولا۔ ان کے علاوہ ایک آدمی اور بھی ہے۔"
ایک لمحے کے لئے حمید اور انور کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔ لیکن پھر انہوں نے فوراً ہی اپنے اوپر قابو پالیا۔ البتہ قاسم کا چہرہ اب بھی بالکل سپاٹ تھا۔

"خوب...!" بوڑھے نے غور سے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تین آدمیوں کے علاوہ تم نے اور کسی کو کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں فریدی نے جواب دیا۔ لیکن ممکن ہے میرے ساتھیوں نے کچھ کہا ہو۔"

"کیوں۔؟ بوڑھے نے انور اور حمید کی طرف دیکھا۔ اور ان دونوں نے خواہ مخواہ اثبات میں سر ہلا دیا۔ حالانکہ فریدی نے خود ان کو بھی کسی فرشتے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ سوائے سرسری باتوں کے۔

"مجھے یہی امید تھی کہ تم میرے سوالوں کا جواب دیدوگے۔" بوڑھا فریدی سے بولا۔ اب یہ بھی بتا چلو۔ کہ وہ تیسرا آدمی کون ہے۔"

اس مرتبہ فریدی خاموش رہا۔

"کیوں۔؟" بوڑھے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تم اس کا جواب دینے میں کچھ جھجک محسوس کر رہے ہو۔"

ہاں ـــ میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔"

"اوہ ....." بوڑھے کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ اور پھر اس نے کہا۔

"فریدی یہ چیز تمہارے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

فریدی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ اور پھر اپنے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے لائٹر سے بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"تو تم اس سوال کا جواب نہیں دو گے" بوڑھا غرایا۔

"نہیں۔" فریدی کے لہجے میں استحکام تھا۔

یک بیک بوڑھے کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانیں گے۔"

"ابے جاؤ۔" قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔ خبردار جو قرنل صاحب کی شان میں گستاخی کی۔"

"شاباش میرے شیر۔" حمید اس کا شانہ تھپکتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ "اگر یہی دم خم رہے تو ہم وقت سے پہلے ہی قبر میں پہونچ جائیں گے۔"

بوڑھا قاسم کو بڑی خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "تم خاموش رہو۔ موٹے احمق!"

"کیا ___؟" قاسم کی آنکھیں ابل پڑیں۔ اور پھر وہ برا ماننے کے سے انداز میں بولا۔
"ابے تم خود موٹے۔ سالے تم اللہ میاں کی بنائی ہوئی چیز کو بُرا کہتے ہو۔ رات کے بارہ بجے اٹھے گا تمہارا جنا جہ۔" (جنازہ)
"خاموش۔" بوڑھا گرجا۔
"ابے تم خود کھاموس۔" قاسم نے بھی گرج کر کہا۔
"سالے آواز سے ڈراتے ہو۔ ایک ہاتھ سے پراٹھا بنا دیتا ہوں آدمی کا۔"
"قاسم قاسم۔ خدا کے لئے خاموش رہو۔" حمید بولا۔
"اسے اسکو بھی تو سمجھاؤ۔" قاسم جھلا کر بولا۔ مجھے کیوں غصہ دلا رہا ہے۔"
"انگیٹھی اور سلاخیں لاؤ۔" بوڑھا غرایا۔ دہکتے ہوئے کوئلوں سے بھری ہوئی انگیٹھی ...... ان لوگوں کا دماغ ابھی درست ...... " جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی باہر سے گولیوں چلنے کی آواز سُنائی دی۔ اور بوڑھا اچھل پڑا۔ اسکے ساتھیوں کی بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ انور نے فریدی کے ہونٹوں پر کچھ عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔
"اسے حمید بھائی۔ یہ ٹھائیں ٹھوئیں کیسی ہے۔" قاسم نے سرگوشی کی۔

اس سے پہلے کہ حمید کچھ کہتا۔ ایک آدمی بے تحاشہ کمرے میں گھس آیا۔
اور ہانپتا ہوا بولا۔
"سردار پولیس نے عمارت کا محاصرہ کر لیا ہے۔"
"ہوں۔ بوڑھے نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اور پھر فریدی کو گھورتا ہوا
بولا۔" میں تم لوگوں کو سسکا سسکا کر ماروں گا.... سمجھے۔ تم لوگ
موت کی خواہش کرو گے۔ لیکن موت تم سے دور کھڑی قہقہے لگاتی
رہے گی۔"
فریدی خاموشی سے بوڑھے کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ قطعی
پُرسکون تھا۔ باہر گولیاں مسلسل چل رہی تھیں۔ اور اس کی
تڑتڑاہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ بوڑھا اپنے ساتھیوں
سے مخاطب ہو کر بولا۔
" فرید اور جاوید! تم یہیں ٹھہرو.... اور تم تینوں... جاؤ اور اپنی
جان کی بازی لگا کر بھی پولیس کو اندر آنے سے روکو... یہ ہمارا اور
فرقے کا امتحان ہے۔ اگر ہم اس پر پورے اترے تو مقدس بھوانی
ہمیں ایک بہت بڑا انعام دے گی۔ اتنا بڑا انعام جس کا تصوّر
بھی نہیں کیا جاسکتا۔"
تینوں آدمی سر جھکا کر چلے گئے۔ بوڑھے نے اپنی جیب سے
ریوالور نکال لیا تھا۔ تم بھی اپنے ریوالور نکال لو۔" اس نے اپنے

ساتھیوں سے کہا تھا۔
ریوالور نکال لئے گئے۔ اور پھر ان کی زد پر فریدی اور اس کے ساتھیوں کو کمرے سے باہر لایا گیا۔ انور نے تو بھڑ جانے کی سوچی تھی۔ لیکن فریدی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر ان لوگوں نے زینے طے کئے۔ اور چھت پر آ گئے۔ یہاں ایک ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ جسے دیکھ کر حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

پچاسوں لاشیں

تقریباً چالیس منٹ کی پرواز کے بعد ہیلی کاپٹر پھر کسی عمارت کی چھت پر اترا۔ یہاں تین آدمی پہلے سے موجود تھے۔ بوڑھے نے ان سے پوچھا۔

"کیا خبر ہے....؟"

"بہت بری خبر ہے سردار! ابھی ابھی ٹرانسمیٹر پر اطلاع ملی ہے کہ ہمارے تقریباً سب آدمیوں کو پولیس کی گولیاں چاٹ چکی ہیں، اور جو باقی بچے ہیں وہ بھی اب زیادہ دیر تک پولیس کے سامنے جمے نہ رہ سکیں گے۔"

یہ جواب سنکر بوڑھا کھا جانے والے انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اور فریدی اسکے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ انور اور حمید کے چہرے پر تشویش تھی۔ البتہ قاسم کے چہرے پر

کسی قسم کے آثار نہیں تھے۔

"اب ہمارے باقی ساتھیوں کا کیا ہوگا۔" ایک نے بوڑھے سے پوچھا۔

اب تک تو شائد انہیں بھی مقدس بھوانی نے اپنے پاس بلا لیا ہوگا۔ خیر تم ان چاروں کو لے کر بڑے کمرے میں چلو۔ میں ہیلی کاپٹر کے ٹرانسمیٹر پر ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

بوڑھے کی ہدایت پر فریدی وغیرہ کو نچلی منزل کے ایک بڑے کمرے میں لایا گیا۔ ریوالوروں کی نالیں ان کی طرف اب بھی اٹھی ہوئی تھیں۔

حمید فریدی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ بڑبڑایا۔

"کیا چوہوں کی موت مرنے سے جنت ملتی ہے؟"

"شائد" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

انور نے فریدی کا جواب سنا۔ اور الجھن میں پڑ گیا۔ آخر فریدی اتنا مطمئن کیوں ہے.... اگر اس نے مجرموں کیلئے جال بچھایا بھی تھا۔ تو ظاہر ہے۔ کرشا نگر یلا کالج کے گرد بچھایا ہوگا۔ مگر اب تو وہ کسی اور عمارت میں ہیں۔ پھر ایسی صورت میں فریدی کے اطمینان

کو کیا سمجھا جائے۔

اچانک قاسم جھلائے ہوئے انداز میں حمید سے بولا۔

"ابے تم بڑے کیپٹن بنے پھرتے ہو... اب کچھ فرمونا"

"اچھا" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں" اور پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اے خدا! قاسم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کیجیو۔

"ابے جاؤ" قاسم نے جلے کٹے لہجہ میں کہا۔ تم خود بد لتے رہنا کروٹیں۔ میں تو اطمینان سے سوؤں گا"

اس جواب پر حمید اور انور تو خیر ہنسے ہی تھے۔ لیکن بوڑھے کے ساتھی بھی ہنس پڑے۔ قاسم آنکھیں نکال کر انہیں گھورنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلا۔ اور بوڑھا اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا سردار" بوڑھے کا ایک ساتھی بے صبری سے بولا۔ لیکن اس سے پہلے کہ بوڑھا کوئی جواب دیتا۔ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اسکی پیشانی پر خفیف سی چوٹ تھی اور اس سے خون رس رہا تھا۔ حمید اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ کیونکہ یہ وہی آدمی تھا جس کی تصویر فریدی کو جنگل میں گرے ہوئے ایک کارڈ پر

ملی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بوڑھا چونک پڑا۔
"کیوں ظہور خاں...... ! تم یہاں کیسے۔؟"
"بڑی مشکل سے بچکر آیا ہوں سردار! ہمارے دوسرے تمام ساتھی یا تو مارے جا چکے ہیں۔ یا گرفتار ہو چکے ہیں۔ میرا بچ کر چلے آنا بھی معجزے سے کم نہیں۔ کالج کے گرد پولیس کے تقریباً پانچسو آدمی تھے۔"
"ہوں۔" بوڑھے نے غصے میں دانت پر دانت اتنے زور سے جمائے۔ کہ جبڑوں کی ہڈیاں ابھر آئیں اور پھر وہ فریدی کی طرف مڑتا ہوا سرد لہجے میں بولا۔
اپنے ساتھیوں کا انتقام میں تم سے لوں گا.... سمجھے! کھولتے ہوئے تیل میں تم لوگوں کے تڑپنے کا منظر میرے لئے بڑا تسکین بخش ثابت ہوگا۔
"ہونہہ!" فریدی کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ ابھر آئی۔
"بس آپ ہنستے ہی رہئے گا۔" حمید جل کر بولا۔ اور ہم لوگوں کی چٹنی بن جائے گی۔
ٹھیک اسی وقت باہر سے گولیوں کی تڑاتڑ سنائی دی اور وہ لوگ اچھل پڑے۔ بوڑھے کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگی تھیں۔ وہ کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔

"تو یہ خبیث یہاں بھی پہونچ گئے۔
"میں دیکھ کر آتا ہوں سردار کیا بات ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔ اور پھر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ دو منٹ بعد واپس آکر اس نے اطلاع دی۔ کہ پولیس عمارت کا محاصرہ کر چکی ہے۔
"بوڑھے سانپ!" فریدی پُرسکون لہجہ میں بولا۔ "تمہاری موت اب قریب آچکی ہے۔"
"خاموش!" بوڑھے کی دہاڑ سے پورا کمرہ گونج اٹھا۔ اور پھر اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔
رائفل لاؤ۔" میں بھی اس مہم میں تم لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔"
"نہیں سردار!" ظہور خاں بولا۔ آپ کا فرار ہوجانا ہی مناسب ہے۔ ہیلی کاپٹر آپ کو کسی محفوظ جگہ پہونچا دے گا۔"
"نہیں۔" بوڑھے نے کہا۔ دارالحکومت سے تو میں صرف اسلئے فرار ہوا تھا۔ کہ تم لوگوں کو میری ضرورت تھی۔ لیکن اب میرا کون ساتھی رہ گیا ہے۔ تم لوگوں کے علاوہ؟"
لیکن سردار!" ایک آدمی بولا۔ اگر آپ بھی مقدس بھوانی کے پاس چلے گئے تو ہمارا اور ہمارے فرقے کا ایک بھی نام لیوا زندہ نہ بچے گا۔ اگر آپ بچ گئے تو اپنے مقدس فرقے کیلئے کچھ تو کرسکیں گے۔"

ایک منٹ کیلئے بوڑھا کچھ خاموش ہوگیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور بولا۔

"ہاں۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"بس تو آپ جلدی کریں۔ جب تک ہم زندہ ہیں پولیس اوپر نہ آسکے گی۔"

"مگر ان کو تو ختم کر جاؤں۔" بوڑھے نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالکر شائد ریوالور ہی نکالنا چاہا تھا۔ کہ اسکے ساتھ ہی ظہور خاں نے گرج کر کہا۔

"خبردار! تم اپنے ہاتھ اوپر ہی رکھو گے۔"

حمید نے چونک کر ظہور خاں کی طرف دیکھا۔ جس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہا تھا۔ فوراً ہی اس ریوالور سے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے۔ اور بوڑھے کے وہ دونوں ساتھی جنہوں نے ریوالوروں سے فریدی وغیرہ کو زد میں لے رکھا تھا چیخ مار کر فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ گولیاں ٹھیک ان کے سینے پر لگی تھیں۔

بوڑھے سردار نے اپنا ہاتھ جیب سے خالی ہی نکال لیا۔ اور اور ظہور خاں کو گھورتا ہوا دانت پیس کر بولا۔ "غدار..... کمینے...

بوڑھے ہوش میں آؤ۔" ظہور خاں بولا۔ "میں تمہارا ساتھی نہیں۔۔

کرنل فریدی کا ایک خادم ہوں۔"
یک بیک حمید اچھل پڑا۔ کیا وہ اب سارجنٹ رمیش کی آواز بھی پہچانتا
چند لمحے کیلئے وہ سب دم بخود ہو کر رہ گئے۔ قاسم حیرت سے آنکھیں
پھاڑے ان بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ رہا تھا۔ حمید کے منہ سے بیساختہ
نکلا۔
رمیش...... تم۔؟
صرف ایک لمحہ کے لئے رمیش کی توجہ حمید کی طرف ہوئی تھی
کہ بوڑھے نے دروازے میں چھلانگ لگا دی۔ رمیش نے چونک کر
اسکی طرف فائر جھونک مارا لیکن بوکھلاہٹ اور جلدی میں چلائی
جانے والی گولی دروازے کی چوکھٹ پر لگی۔ بوڑھا باہر نکل چکا تھا۔
اس کے ساتھ ہی دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔
اسی لمحے فریدی نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے لائٹر کے نچلے حصہ
میں لگا ہوا اسکریو نکال لیا۔ اور پھر اس کا سوراخ اپنے ہونٹوں کے
قریب لاتا ہوا بولا۔
ہلو کرنل....! بوڑھا یہاں سے بچ نکلا ہے۔ دروازہ باہر سے
بند ہے۔ اب ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"
"پرواہ مت کرو۔" لائٹر کے سوراخ سے ایک باریک سی آواز
نکلی۔" اب وہ بچکر نہیں جا سکتا۔ اب تم لوگ اندر سے دروازہ
بند کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ اسکے دوسرے ساتھی تم لوگوں پر حملہ کر دیں۔

...... اوور اینڈ آل۔"

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ انور بھی متحیّر دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں ہی نے فریدی کی آواز میں تغیّر محسوس کیا تھا۔

"تم کون ہو دوست۔" حمید بولا۔

"فریدی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"یہ نہیں مانا جاسکتا۔ تمہاری آواز کرنل سے کافی حد تک ملتی جلتی ہے۔ مگر تم کرنل ہرگز نہیں ہوسکتے۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے کیپٹن۔" فریدی کے ہمشکل نے کہا۔

"اوہ ...... ! تو یہ میک اَپ ہے۔" انور بولا۔

"نہیں۔"

"پھر۔!"

"میں کرنل کا ہمشکل ہوں۔"

"کیا ...؟ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

فریدی کے ہمشکل کے ہونٹوں پر بڑی دلاویز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"غمیذ بھائی۔" قاسم بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ قیا چکر ہے۔"

"دیکھتے رہو خاموشی سے۔"

اس جواب پر قاسم کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔
رمیش نے دروازے میں اندر سے چٹخنی لگائی تھی۔ اور ریوالور سے بوڑھے کے باقی ساتھیوں کو زد میں لئے کھڑا ہوا تھا۔
باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں لیکن کمرے میں قبرستان کی سی ہولناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
تقریباً دس منٹ بعد کسی نے باہر سے دروازہ کھولا۔ اور پھر آواز آئی۔
"انور! دروازہ کھولو۔ میں ہوں فریدی۔"
"انور نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا۔
گروہ کا بوڑھا سردار تھکے ہوئے سے قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اسکے پیچھے فریدی تھا۔ جس نے اپنے ریوالور کی نال بوڑھے کی کمر سے لگا رکھی تھی۔
حمید انور اور قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی فریدی کو دیکھتے تھے۔ اور کبھی اس کے ہمشکل کو۔ دونوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا۔
اس کے بعد بوڑھے کے ساتھی پندرہ منٹ سے

زیادہ پولیس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

(۲)

یہ تمام گرفتاریاں ریاست شہید پور کی ایک عمارت میں ہوئی تھیں۔ وہاں سے حمید سیدھا گھر کی طرف بھاگ نکلا۔ البتہ فریدی کی بقیہ رات کافی دوڑ بھاگ میں گزری۔ بہتری گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ سب انسپکٹر صادق کو سندری جنگل کی پولیس چوکی سے اور نیلوفر کو اسکی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا۔

صبح کے دس بج چکے تھے۔ جب فریدی گھر پہونچا حمید ابتک پڑا سو رہا تھا۔ فریدی نے اسے جگانے کیلئے ایک نوکر سے کہا اور پھر باتھ روم میں جا گھسا۔

ایک گھنٹے بعد وہ دونوں ناشتے کی میز پر تھے۔ سب سے پہلے حمید نے اخبار پر ہاتھ ڈالا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ اخبار کی

کہ اخبار کی سرخی انہیں گرفتاریوں کے متعلق ہوگی
لیکن اسے مایوس ہونا پڑا۔ سرخی تو سرخی اخبار
میں اس کے متعلق کوئی معمولی سی خبر بھی نہ تھی۔
حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔
ہاں۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔
میں نے ہی اس خبر کو روکا ہے۔"
"کیوں...... !"
"میں اس کیس کے اختتام سے مطمئن نہیں ہوں اس
تحریک سے متعلق اور بھی بہت سے افراد ہوں گے۔
مثلاً صادق اور نیلو فر ہی کو لے لو۔ ان کا ٹھکانہ مجھے
مجھے معلوم تھا۔ اسی لئے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ انکی
طرح اور بھی بہتیرے افراد مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے
ہوں گے۔ اب اگر یہ خبر اخبار میں آجاتی تو وہ لوگ
ہوشیار ہو جاتے۔ اب گرفتار شدہ افراد پر تشدد

ہورہا ہے۔ کہ وہ اپنے ساتھیوں کے پتے بتائیں۔
لیکن صرف اخبار میں نہ آنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ ساری گرفتاریاں خاموشی سے ہی تو ہوئی نہیں ہیں بے تحاشہ گولیاں چلی تھیں۔"
"ہاں.... آں.... لیکن میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہتا۔"

"خیر.... ! آپ یہ بتائیے۔ کہ اس گروہ کا سردار کون تھا مجھے اس کی آنکھیں کچھ مانوس معلوم ہوئی تھیں۔
"اپنا نیا ڈی ایس پی۔"
"کیا—" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں حمید صاحب..... اس کے علاوہ جگدیش کی جگہ پر جس کوتوالی انچارج کو لایا گیا تھا۔ وہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بات اخبار سے چھپانی پڑے گی ورنہ عوام پولیس سے بدگمان ہو جائیں گے۔"
"اوہ....." حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ اور پھر اچانک کچھ یاد کر کے بولا۔

اور ہاں! وہ دوسرا کرنل فریدی کون تھا ____؟"

"دوسرا کرنل فریدی"۔ فریدی نے ہنستے ہوئے دوہرایا۔

"ہاں فرزند۔ وہ میری نئی دریافت ہے۔ اختر شجاع پاشا۔ نسلاً ترک ہے۔ تمہیں یاد ہوگا۔

اب سے ایک سال پہلے میں امریکہ گیا تھا۔ وہیں پر میری اس سے ملاقات ہوئی۔ یہ ایک دفتر میں کلرک تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ یہاں لے آیا۔ تربیت دی۔ اور اب یہ میرا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر سکتا ہے آواز میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اور قد میں بھی مجھ سے ایک انچ کم ہے۔ میں نے اسے اپنی بلیک فورس میں شامل کر لیا ہے۔ وقتاً فوقتاً کام آتا رہے گا۔"

حمید ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ فریدی سگار سلگانے لگا تھا۔ کئی گہرے کش لینے کے بعد اس نے کہا۔

"تم تفصیل کے لئے یقیناً بے چین ہو گے۔ لہٰذا میں اصل چکر کی طرف آتا ہوں۔ الجیریا ہوٹل جانے کے بعد

مجھے یقین ہو گیا تھا۔ کہ مجرم مجھے دیکھ چکے ہیں۔ اور تمہیں اور انور کو بھی۔ اسلئے وہ میرے ساتھ تم دونوں کو اڑا لیجانے کی سوچیں گے۔ تم پر تو خیر نیلوفر ڈورے ڈال رہی تھی لیکن انور کے متعلق میرا یہی اندازہ تھا۔ کہ اسے اغوا کیا جائے گا تمہیں یاد ہو گا۔ کہ میں نے اسے ایک لائٹر دیا تھا۔ لیکن لائٹر کے ساتھ ساتھ وہ ایک طاقت ور ٹرانسمیٹر بھی تھا۔ [illegible] لئے دیا تھا۔ کہ اگر وہ لوگ انور کو اغوا کر لے جائیں۔ تو میں ان کی گفتگو اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے سُن سکوں یہ ٹرانسمیٹر ہر وقت آواز کیچ کرتا رہتا ہے۔ لیکن مخاطب کی آواز سننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نچلے حصہ کا اسکریو ڈھیلا کر دیا جائے ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ٹرانسمیٹر دیکر بھی میں مطمئن نہیں ہوا۔ اور اپنے آدمی انور کی نگرانی کیلئے لگا دیئے۔ دوسری طرف تمہاری اور قاسم کی نگرانی بھی کی جارہی تھی۔ بہرحال رات کو مجھے فون پر اطلاع مل گئی کہ انور کو اغوا کر کے شانگریلا کالج میں لے جایا گیا ہے۔ اب صرف میں رہ گیا تھا۔

"لہٰذا آپ نے سوچا کہ آپ بھی نہ رہیں۔" حمید بولا۔

"ہاں فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس طرح مجرم پوری طرح مطمئن ہو جاتے۔ چنانچہ میں نے شجاع سے پہلا کام لیا۔ اپنی ہی کار پر اسے الجیریا ہوٹل بھیجا۔ وہاں پہونچکر اس نے مینجر سے اس قسم کے سوالات کئے جیسے مینجر ہی مجرم ہو۔ چنانچہ مینجر نے موقعہ غنیمت جانا۔ اور اپنی دانست میں شجاع کو دھوکا دے کر اپنے کمرے میں بلایا۔ اور پھر اسکے کچھ آدمی شجاع کو زبردستی اپنے ساتھ لیکر شانگریلا کالج روانہ ہو گئے۔

اس عرصہ میں میرا ایک آدمی شجاع کی نگرانی کرتا رہا تھا اور میں ایک ہیلی کاپٹر میں لنکن کے اوپر پرواز کرتا رہا تھا۔ جب وہ لوگ شجاع کو لے کر روانہ ہو گئے تو اس آدمی نے ٹارچ کے ذریعہ سے مجھے اشارہ کر دیا۔ چنانچہ میں اس کار کے اوپر پرواز کرتا ہوا شانگریلا کالج پہونچ گیا۔ کالج کی چھت پر میں نے ایک ہیلی کاپٹر کھڑا دیکھا اور سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے الجیریا ہوٹل سے فرار ہونے میں بھی اسی ہیلی کاپٹر کو استعمال کیا ہوگا۔" فریدی نے خاموش ہو کر سگار کے چند گہرے گہرے کش لئے۔ حمید بڑی دلچسپی سے یہ باتیں سن رہا تھا۔ فریدی نے پھر کہنا شروع کیا۔

اب یہ بھی بتاتا چلوں کہ شام ہی سے میں نے خفیہ طور پر شانگریلا کالج

کے گرد محاصرہ قائم کروادیا تھا۔ پولیس کے علاوہ وہاں میری بلیک فورس کے بھی کچھ آدمی تھے۔ اتفاقاً انہوں نے ایک ایسے آدمی کو عمارت سے باہر آتے دیکھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ اور جس کے فوٹو میں نے بلیک فورس کے آدمیوں میں تقسیم کروا دیئے تھے۔ چنانچہ اس آدمی کو اغوا کرنے کے بعد ٹرانسمیٹر پر مجھے اطلاع دی گئی۔ میں نے اپنا ہیلی کاپٹر قریب کی ایک سرکاری عمارت کی چھت پر اتارا۔ اور اس آدمی کا جائزہ لیا۔"

"یہ وہی آدمی ہوگا جس کا کارڈ سندری جنگل سے ملا تھا۔" حمید بولا۔

"ہاں وہی آدمی۔" فریدی نے کہا۔ "اب میں نے اپنے ساتھیوں پر نظر ڈالی تو صرف رمیش ہی ایسا نظر آیا۔ جو قد و قامت کے لحاظ سے اس جیسا تھا۔ چنانچہ اس پر ظہور خاں کا میک اپ کیا گیا۔ اور اسے اچھی طرح اپنی اسکیم سمجھانے کے بعد پھر اپنے ہیلی کاپٹر پر چلا گیا۔ ٹرانسمیٹر پر میں وہ تمام گفتگو سن رہا تھا۔ جو گروہ کا سردار تم لوگوں سے کر رہا تھا۔ انور کو جو لائیٹر میں نے دیا تھا وہ تو انور کے گھر ہی پر رہ گیا تھا۔ لیکن اسی قسم کا ایک ٹرانسمیٹر شجاع کے پاس تھا۔ جو تم لوگوں کی آوازوں کو کیچ کر کے مجھ تک پہونچا رہا تھا۔ پھر موقعہ دیکھکر میرے حکم سے پولیس عمارت میں گھس پڑی۔ اور فائرنگ شروع ہو گئی۔ گروہ کا سردار تم لوگوں کو لے کر

ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں سے فرار ہو گیا۔ اگر میں چاہتا تو ایسا
نہ ہوتا۔ لیکن میں نے خود ہی یہ موقعہ اسے فراہم کیا تھا۔ تاکہ
ان کے دوسرے اڈے کا پتہ بھی چل جائے۔ اس میں
مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ ہیلی کاپٹر کا تعاقب کرتا ہوا
میں شہید پور کی اس عمارت تک پہونچ گیا۔ جہاں کہ تم
لوگوں کو پہنچایا گیا تھا۔

اس عرصے میں میں نے ٹرانسمیٹر پر پولیس سے بھی
رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ اور میری ہدایت پر پولیس کی دس
لاریاں شہید پور کی طرف روانہ ہو گئی تھیں۔

اس کے علاوہ رئیش بھی ظہور خاں کے میک اپ میں شہید پور
پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنے ماتھے پر ایک ہلکا سا زخم لگایا اور
اس عمارت میں جا گھسا۔ اسے وہاں پہونچانے سے میرا مقصد
یہی تھا۔ کہ خطرے کے وقت وہ تم لوگوں کی مدد کر سکے۔
تم سب تو غیر مسلح ہی تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا
وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔"

"نواب صاحب شہید پور سے اس کیس کا کوئی تعلق نہیں تھا؟"
حمید نے سوال کیا۔

"نہیں۔ یہ محض اتفاق تھا۔ کہ غائب ہونے والوں میں سے تین افراد ایسے تھے جو نواب صاحب شہید پور سے ملنے گئے تھے۔ اور اس تحریک کا شکار ہو گئے تھے۔

"اب تو بتا دیجئے۔ کہ یہ کون سی تحریک ہے۔" حمید نے کسی قدر جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"بہت قدیم تحریک حمید صاحب۔۔۔!" چودھویں سے اٹھارویں صدی تک اس فرقے کے حوالے جا بجا ملتے ہیں۔ ان کا مذہب کسی حد تک ہندو ازم سے ملتا ہے۔ یہ ایک دیوی کو مانتے ہیں جسے بھوانی کہا جاتا رہا ہے۔ ان کا عقیدہ رہا ہے کہ اگر دیوی پر انسانوں کی قربانی نہ دی جائے تو وہ ان سے ناراض ہو جائے گی۔ پہلے اس فرقے کا جرم صرف انسانوں کے قتل تک محدود تھا۔ لیکن بعد میں یہ بگڑتے ہی چلے گئے۔ لوٹ مار اور غارت گری بھی ان کے فرقے کا ایک جزو بن گئی۔ یہ صرف امراء پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ اس طرح دولت بھی ہاتھ آتی تھی۔ اور قربانی کا مقصد بھی پورا ہو جاتا تھا۔ یہ اپنے شکار کو صرف گلا گھونٹ کر

مارا کرتے تھے۔ اور پھر لاشوں کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔
انگریزی دور حکومت میں ان لوگوں نے بہت زیادہ ہاتھ پیر
پھیلائے تھے۔ اسلئے صرف انھیں کی پکڑ دھکڑ کیلئے محکمہ انسداد
ٹھگی قائم کیا گیا۔ یہ محکمہ انیس سو چار عیسوی تک قائم رہا۔
ہزاروں گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ اس زمانے میں اس
فرقے کا سربراہ ایک وجیہہ و شکیل مرد امیر علی تھا۔ تاریخ
اٹھا کر دیکھو تو معلوم ہوگا۔ کہ خود امیر علی کی کہانی بھی بڑی
دلچسپ مگر رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔
اس نے سات سو انیس آدمیوں کو قتل کیے تھے۔ اور اسکی
خواہش تھی کہ یہ تعداد ایک ہزار تک پہونچ جائے۔ بہرحال
انیسویں صدی کے اوائل میں سرکاری طور پر اس فرقے کے
خاتمے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب حالات بتاتے ہیں
کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ کچھ لوگ بچ بھی گئے تھے۔ جو اپنے فرقے
کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔
اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ اب اس فرقے کا ایک فرد
بھی نہ بچ سکے۔"
فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ یہ

یہ ساری گفتگو ناشتے کی میز ہی پر ہوئی تھی۔ مگر انہوں نے ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی فریدی نے ملازم کو آواز دے کر دوبارہ چائے تیار کرنے کیلئے کہا۔

"اور ہاں! اچانک حمید بولا۔" یہ بونیج اور بھٹوٹ کیا چیز ہوتی ہے۔ سندری جنگل میں قتل ہونے والے نوجوان نے یہ دونوں لفظ کہے تھے نا.....؟"

"ہاں! اس فرقے میں کچھ عجیب قسم کی اصطلاحات بھی رائج تھیں۔ بونیج اسے کہا جاتا تھا۔ جس کا قتل واجب قرار دیا جائے۔ بھٹوٹ رومال سے گلا گھونٹ کر مارنے والے کو کہتے تھے۔ لگھائی۔ قبریں کھودنے والے کو کہا جاتا تھا۔ بل۔ اس قبر کو کہتے تھے جس میں بونیج کو دفن کیا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"لیکن یہ دونوں لفظ..... میرا مطلب ہے بونیج اور بھٹوٹ اس نوجوان کو کیسے معلوم ہو گئے۔ جو جنگل میں قتل کیا گیا تھا۔"

"یہ سوال میں نے گروہ کے سردار سے کیا تھا۔ دراصل سن شائن جیولرز کے مالک خان محمد اور اس کا سکریٹری

اختر علی شہید پور سے آ رہے تھے کہ مجرموں نے انہیں پکڑ لیا۔ رسم کے مطابق پہلے تو گروہ کے سردار نے کچھ پڑھا۔ جس میں بو نیبج کا لفظ آ گیا تھا۔ اختر نے یقیناً اس فرقے کی تاریخ پڑھی ہو گی۔ اس لئے وہ سمجھ گیا۔ کہ کن لوگوں میں آ پھنسا ہے۔"

حمید نے پھر ایک طویل سانس لی۔ اور سلائس پر مکھن لگانے لگا۔ فریدی پھر بولا۔

"مجھے شبہ تھا۔ کہ یہ لوگ سندری جنگل میں لاشیں دفن کرتے ہوں گے۔ اسلئے میں نے وہاں کی کھدائی جاری کروا دی۔ رات کے دو بجے سے کھدائی جاری ہے۔ حمید صاحب! سندری جنگل حقیقتاً لاشوں کا جنگل ثابت ہوا۔ اب تک پچاسوں لاشیں دریافت ہو چکی ہیں۔ ہڈیوں کے پنجر۔ اور ٹوٹی پھوٹی ہڈیوں کے ڈھیر اس وقت جنگل میں موجود ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ کھدائی کا کام تین دن تک جاری رکھنا پڑے گا۔ سب انسپکٹر ساجن کی لاش بھی مل گئی ہے۔"

"اوہ...." حمید جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

چائے آ گئی تھی۔ وہ دونوں ناشتے میں مشغول ہو گئے۔ اسی وقت دوسرے کمرے سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔

"دیکھنا کون ہے۔" فریدی بولا۔

حمید ایک اُبلا ہوا انڈا اپنے منہ میں رکھتا ہوا دوسرے

کمرے میں آیا۔ کال قاسم نے کی تھی۔

"آ ۔ آ ۔ حمید بھائی ۔۔۔۔۔۔! کیا کر رہے ہو ۔۔۔ اُسے وہ کہاں ہیں ۔۔۔۔۔۔ ملواؤ نا ان سے"

"کن سے ۔۔۔۔۔۔؟"

"بھابی سے ۔۔۔۔۔؟"

"بھابی ۔۔۔۔۔؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"کیسی بھابی ۔۔۔؟"

"ا ۔ ے وہی ۔۔۔۔۔۔ یعنی کہ ۔۔۔۔۔۔ ہی ہی ہی ۔۔۔۔۔۔ ابے تم نے بتایا تھا نا ۔۔۔۔ کہ وہ بہت موٹی ہیں ۔۔۔۔ بالکل میری طرح ۔۔۔؟"

"اوہ ۔۔۔" حمید کو ہنسی تو بڑے زور کی آئی تھی۔ لیکن ضبط کر گیا۔ اور غراتا ہوا بولا۔

"ہوں ۔۔۔۔۔۔ تو اب تم میری بیوی پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہو ۔"

"ا ۔ غے نہیں ۔۔۔۔۔۔ لل ۔۔۔۔۔۔ لاحول ۔۔۔۔۔ میں تو یونہی ۔۔۔۔۔۔ یعنی ۔۔۔۔۔۔ کہ غغ ۔۔۔"

قاسم کی ہکلاہٹ بہت طویل ہو جاتی۔ اسلئے

حمید نے زور سے "شٹ اَپ" کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اور پھر جو قہقہے لگانا شروع کئے ہیں تو ڈائننگ روم میں فریدی چونک پڑا۔

"کیا بات ہے حمید.... ؟"

لیکن حمید کے قہقہے طویل ہی ہوتے چلے گئے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا کا پانچواں ناول

انوکھا قاتل

مُصنف
ایچ اقبال

قیمت
ایک روپیہ

- حمید نے کہا — وہ قاتل ہے۔
- فریدی نے جواباً کہا — ہاں وہ قاتل ہے۔

اور

- خود اس نے بھی اپنے قاتل ہونے کا اعتراف کرلیا۔ مگر دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی تھی۔
- قاتل ہی نے فون پر فریدی کو قتل کی اطلاع دی تھی۔ اور پھر خود بھی موقعہ واردات پر موجود رہا
حمید حیران رہ گیا۔

●—— جی ہاں ۔۔۔! میجر لغرا خاں بھی کہانی میں موجود ہیں۔ حمید صاحب کے سعادتمند اور شریف النسل بکرے ۔۔۔! وہ اداس تھے۔ اسلئے حمید نے ان کا دل بہلانا شروع کر دیا! کس طرح ۔۔۔؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ جو آپ کو کہانی پڑھنے ہی پر معلوم ہو سکے گا۔

●—— ایک ایسی کہانی جو قتل کے واقعے سے شروع ہو کر آپ کو طنز و مزاح کے ریگستانوں کی سیر کراتی ہوئی تحیر و استعجاب کی منزل تک پہنچا دے گی۔

ڈھاکہ میں جاسوسی دنیا

قاسم بک ایجنسی

قاضی عبدالحمید لین

سے

حاصل کیجئے

JASUSI DUNYA
KARACHI 1

جاسوسی دنیاں کا چوتھا ہنگامہ خیز ناول

انوکھا قاتل

مارچ کے پہلے ہفتے میں منظر عام

پر آرہا ہے

تفصیات اندر ملا حظہ فرمائیے